

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل

ہر موضوع پر ذخیرہ کتب کا عظیم مرکز

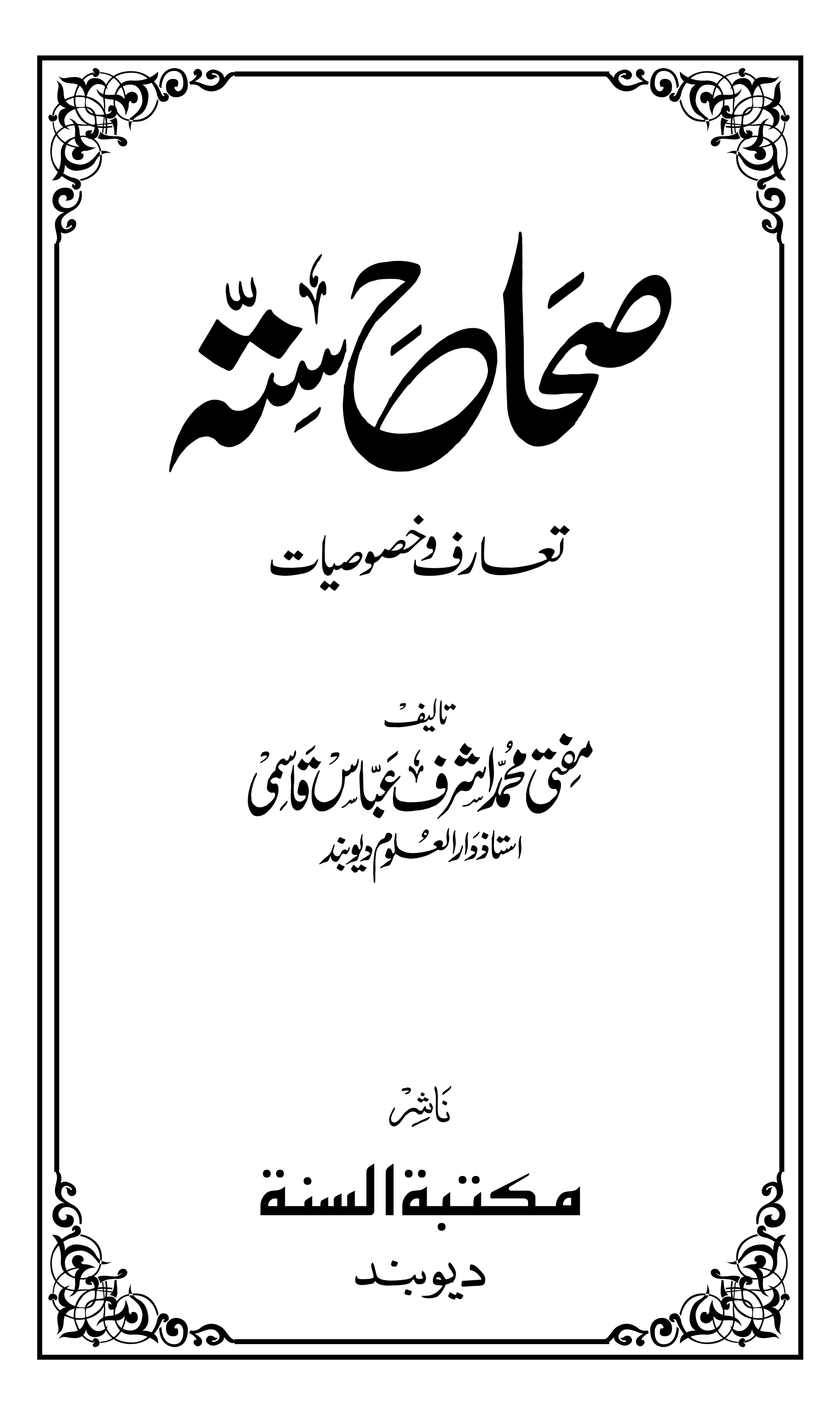


صحاح ستہ



تعارف وخصوصیات

تالیف
مفتی محمد اشرف عباس قاسمی
استاذ دار العلوم دیوبند



صحاح ستہ

تعارف وخصوصیات

تالیف

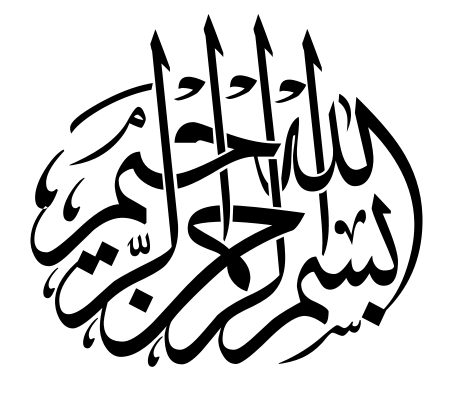
مفتی محمد اشرف عباس قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر
مکتبۃ السنۃ
دیوبند



نام کتاب	:	صحاحِ ستہ، تعارف وخصوصیات
تالیف	:	مفتی محمد اشرف عباس قاسمی (استاذ دارالعلوم دیوبند)
طباعت	:	فروری ۲۰۱۹ء
تعداد	:	گیارہ سو
ناشر	:	مکتبہ السنۃ دیوبند

فہرست عناوین


بسم الله الرحمن الرحيم

تصدیر

حامداً و مصلیاً،اما بعد!

میری خوش بختی رہی کہ۱۴۲۲ھ،۲۰۰۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعدصوبۂ گجرات کی مشہور بافیض علمی درسگاہ جامعہ مظہرسعادت ہانسوٹ میں مسلسل گیارہ سال تدریس کی سعادت نصیب ہوئی ، جہاں جامعہ کے بالغ نظرعلم دوست مہتمم،مخدوم گرامی قدرحضرت مفتی عبداللہ صاحب مظاہری حفظہ اللہ ورعاہ کی عنایتوں سے گیارہ سالہ قیام کے دوران حدیث وعلم حدیث کی متعدد کتب مثلاً: نزہۃ النظر،مشکاۃ المصابیح، موطأ محمد،موطأ مالک،شرح معانی الآثار،سنن ترمذی اورصحیح مسلم کےاسباق متعلق رہے، جامعہ ہانسوٹ میں غایت توجہ کےساتھ مضامین کتاب کی تدریس کےعلاوہ آغاز سال میں متعلقہ فن اور کتاب کے حوالے سے مبادیات کے بیان کا بھی اہتمام ہوتا ہے،اسی مناسبت سے مختلف کتب حدیث اوران کی خصوصیات سے متعلق ایک قلمی یادداشت احقر کے پاس بھی جمع ہوچکی تھی ،جس سے صحاح ستہ سے متعلق منتشر معلومات کو یکجا کر کے مزید اضافے اور ترتیب کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ترجمان رسالہ دارالعلوم دیوبند کے جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق مارچ ۲۰۱۴ء اوراس کے بعد کے شماروں میں شائع کیا گیا، جسے بعض اہل علم نے بہ نظر استحسان دیکھا اور مستقل رسالے کی شکل میں شائع کرنے کی فرمائش کی ؛اگر چہ اس سے قبل ہی بعض کرم فرماؤں نے یکجا کر کے اس کا ای ایڈیشن شائع بھی کردیا،جس میں کچھ خامیاں بھی رہ گئی تھیں ؛اس لیے خیال ہوا کہ ایک بار پھر سے نظر ثانی کر کے اسے منظر عام پر لایا جائے ،ہوسکتا ہے کہ طالبین علم حدیث کے لیے نافع ثابت ہو۔

رسالے میں کتب ستہ کی مشترکہ خصوصیات پر آسان اسلوب میں روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ وہ باب ہے جس سے صحاح ستہ کے ہی موضوع پر لکھی گئی ''الحطہ'' وغیرہ یکسر خالی ہے، ثانیاً انفرادی تعارف پیش کیا گیا ہے جو عام طور سے کتابوں میں موجود ہے۔ یہ امر بھی باعث اطمینان ہے کہ اس رسالے پر فن حدیث کی دو مقتدر شخصیات اور میرے جلیل القدر اساتذہ محدث جلیل حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی حفظہما اللہ و رعاہما نے نظر فرما کر تشجیعی و تائیدی کلمات ثبت فرما دیئے ہیں، جس سے رسالے کو وقار و اعتبار حاصل ہو گیا ہے، میں دل کی گہرائیوں سے ان حضرات کی خدمت میں تشکر و امتنان کے کلمات پیش کرتا ہوں۔ نیز میں شکرگزار ہوں اپنے ان تمام بزرگوں اور احباب کا جن کی کسی بھی مرحلے میں معاونت شامل حال رہی، خصوصیت کے ساتھ محبّ گرامی مولانا عبد الرب صاحب سعادتی شیخ الحدیث دارالعلوم دمن اور عزیزم مولوی مبارک ارریاوی سلمہ قابل ذکر ہیں، کہ اول الذکر نے مواد کی فراہمی اور کتابوں کی مراجعت میں بڑی مدد کی اور ثانی الذکر نے کتابت وطباعت کے حوالے سے کافی محنت اور دل چسپی کا مظاہرہ کیا۔ زود گو وخوب گو استاد شاعر حضرت مولانا ولی اللہ ولی بستوی، حفظہ اللہ کا ممنون کرم ہوں جنھوں نے منظوم تعارف نامہ لکھ کر خرد نوازی کا ثبوت دیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

دعاء ہے کہ اللہ رب العزت اپنے فضل خاص سے رسالے کو شرف قبولیت بخشیں، نافعیت عطا کریں اور مرتب، اس کے والدین واساتذہ کے لیے ذریعۂ نجات بنائیں۔ آمین

اشرف عباس قاسمی

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۴۴۱/۶/۱۰ھ

تقریظ

محدث جلیل حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری حفظہ اللہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد :

احادیث کی چھ کتابیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ یا موطا امام مالک ''صحاح ستہ'' کہلاتی ہیں، ان کے لیے صحاح کی تعبیر تغلیبی ہے؛ اس لیے کہ ان میں صحیح کے ساتھ حسن اور ضعیف ہر قسم کی احادیث جمع ہیں، اَشِعّۃ اللمعات اور نُکت زرکشی میں اس کی صراحت ہے، ہمارے دیار میں صحاح ستہ کی تعبیر رائج ہے عرب ان کو ''کتب ستہ'' کہتے ہیں، ان کے لیے ''اصول ستہ اور اُمہات السّت'' کی تعبیر بھی ملتی ہے، آج سے تین دہائی پہلے سمرقند کے ایک سیمینار میں صحاح ستہ کی میری تعبیر پر ایک عرب عالم شیخ محمود طحانؒ نے اعتراض کیا کہ یہ کتب ستہ ہیں صحاح ستہ نہیں، میں نے جواب دیا کہ ہمارے دیار میں یہی تعبیر رائج ہے، وہ خاموش ہو گئے۔

احناف کی کتب ظاہر الروایہ چھ ہیں: جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر، مبسوط اور زیادات، ان میں امام اعظم اور صاحبینؒ سے مستنبط مسائل جمع ہیں، بعض اہل علم کا خیال معقول معلوم ہوتا ہے کہ ''کتب ستہ'' کی تعبیر محدثین کے یہاں فقہائے احناف کی اتباع میں بہت بعد میں اختیار کی گئی ہے۔

پہلے صحیحین، ابوداؤد اور نسائی ان چار کتابوں کو ابن السکن نے '' قواعد الاسلام'' (اسلام کی بنیاد) کہا، پھر ترمذی کو حافظ ابو طاہر نے ان میں شامل کیا، پھر محمد بن طاہر

مقدسی نے ابن ماجہ کو شامل کر کے چھ کی تعداد پوری کی اور رزین بن معاویہ مالکی نے ابن ماجہ کی جگہ موطا مالک کو رکھا، اس کے بعد کتب ستہ اور صحاح ستہ کی تعبیر چل پڑی؛ غرض یہ کہ محدثین کے یہاں فقہاء کی نقل میں یہ تعبیر رائج ہوئی ہے۔

''صحاحِ ستہ تعارف وخصوصیات'' نوخیز فاضل جناب مولانا اشرف عباس قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند کی تالیف ہے، میں نے اس پر ایک نظر ڈالی ہے، اردو قارئین کے لیے مفید مواد اکھٹا کر دیا ہے، زبان و بیان میں سادگی ہے؛ اس لیے طلبۂ کرام کے ساتھ عوام بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں، اللہ تعالی موصوف کی محنت بارآور فرمائیں اور مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

وکتبہ:

(مفتی) سعید احمد پالن پوری عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ

تقدیم

محقق نبیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ

محدث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء وسيد المرسلين وآله وأصحابه وأتباعه أجمعين أمابعد:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس احادیث کی جمع وتدوین میں اکابر محدثین رحمہم اللہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اقوام عالم میں اس کی کوئی نظیر ومثال دستیاب نہیں۔ جوامع، مسانید، معاجم، صحاح، سنن، مستخرجات، اجزاء، مشیخات وغیرہ درجنوں عنوانات سے کتب حدیث کا ایسا عظیم القدر ذخیرہ جمع کردیا کہ آج ان تالیفات کو احاطۂ شمار میں لانا کارے دارد، اگر کوئی ہمت کر کے ان کی محض فہرست تیار کرنا چاہے تو اس کے علم وقلم کی توانائیاں ختم ہو جائیں گی؛ مگر ان کتابوں کا سلسلہ پھر بھی باقی رہ جائے گا۔ ع

بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہم چناں باقی

کتب حدیث کے اس بے شمار ذخیرہ میں سے بارگاہ رب العزت سے جو شرف قبولیت اور مقام ومرتبہ امام بخاری ومسلم کی صحیحین اور امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ کی سنن کے حصہ میں آیا وہ بھی بجائے خود اپنی مثال آپ ہے، حدیث پاک کے اس عدیم النظیر مجموعہ میں ان چھ کتابوں کو اصول کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے اور علمائے امت کی جانب سے ان کی ایسی بے پناہ پذیرائی ہوئی ہے کہ کتاب الٰہی

قرآن مجید کے علاوہ علمی دنیا میں کسی کتاب کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔

''صحاح ستہ، تعارف وخصوصیات'' میں اسی سعادت بار اور برکت خیز مجموعہ کے مزایا وخصوصیات وغیرہ پر بحث کی گئی ہے، اصول ستہ کے شرائط وصفات اوران کے مخرجین ومؤلفین کے احوال وکوائف کے بیان میں عربی زبان میں خاصا مواد موجود ہے؛ مگراردو میں مرتب طور پر یکجا یہ معلومات کم یاب ہیں۔

محبّ مکرم مولانا اشرف عباس صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کی یہ خوش بختی ہے کہ انہیں اس بابرکت علمی کام کی توفیق ارزانی ہوئی، مولانا محترم کا درس وتدریس کے ساتھ قلم و قرطاس سے بھی رشتہ استوار ہے اور ماشاءاللہ علوم دینیہ کی ترویج واشاعت کے ان دونوں شعبوں میں بلندی کے مراحل خوش اسلوبی ونیک نامی سے طے کر رہے ہیں، اللہم زدفزد۔

مؤلف موصوف نے کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے میں اپنے طور پر کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے، موضوع سے متعلق ضروری معلومات کو مستند ومعتمد حوالوں سے مدلل کر کے پیش کر دیا ہے، اور کوشش کی ہے کہ قاری کو کسی نوع کی تشنگی کا احساس باقی نہ رہے، بندہ نے کتاب کے تقریباً دوثلث حصہ کو بالاستیعاب پڑھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ انشاءاللہ علماء وطلبہ اور خاص وعام ہر طبقہ میں قبولیت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ اللہ کرے زور قلم ہو اور زیادہ

(مولانا) حبیب الرحمٰن اعظمی (حفظہ اللہ)

۲۲/۵/۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحاح ستہ

حدیث وسنت

تعلیم و ہدایت کا جو قیمتی سرمایہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو ملا، اس کے دو حصے ہیں: ایک کتاب اللہ جو لفظاً و معنیً کلام اللہ ہے، دوسرے آپ کے وہ ارشادات اور آپ کی وہ تمام قولی و عملی ہدایات و تعلیمات، جو آپ نے اللہ کے نبی و رسول، اس کی کتاب کے معلم و شارح اور اس کی مرضی کے نمائندے ہونے کی حیثیت سے امت کے سامنے پیش کی ہیں، جن کو صحابۂ کرامؓ نے بلا کم و کاست بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اس کو پورے سلسلۂ روایت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کر دیا۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات اور فرمودات وارشادات کے اس حصے کا عنوان حدیث اور سنت ہے۔

قرآن کریم کے بعد شریعت کا سب سے بڑا اور اہم ماخذ حدیث پاک ہے۔ حدیث کو اسلام میں ہمیشہ اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے اور ہر زمانے میں علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس کی چھان پھٹک، ترتیب و تہذیب اور نشر و اشاعت میں خصوصیت سے حصہ لیا؛ کیوں کہ قرآن کریم کی تفہیم و تفصیل حدیث پاک ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ عقائد کی گرہیں بھی اسی سے کھولی جاتی ہیں، فقہ کی سند بھی اسی سے لی جاتی ہے۔ بہ قول علامہ سید سلیمان ندویؒ ''اسلامی علوم میں قرآن کریم دل کی حیثیت رکھتا ہے تو حدیث پاک شہِ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتی رہتی ہے''۔ (مقدمہ تدوین حدیث)

خلاصہ یہ کہ حدیث کے بغیر اسلام کا کوئی موضوع مکمل نہیں ہوسکتا۔

روایت حدیث میں احتیاط اور سند کا اہتمام

اس لیے محدثین نے حددرجہ حفاظت حدیث کا اہتمام کیا اوراس کے لیے نہایت قیمتی اصول وضع کیے اوراپنی پوری محنت، قابلیت اوراخلاص وعقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات واسناداور مذہبی سرمایہ کی حفاظت کی مثال نہیں پیش کرسکتی۔

ابومحمد ابن حزمؒ فرماتے ہیں: ''رسولِ اکرم ﷺ تک اتصالِ سند کے ساتھ ثقات کا ثقات سے نقل، ایسی خصوصیت ہے جس سے اللہ پاک نے صرف اہل اسلام کو سرفراز فرمایا ہے، دیگراقوام وملل اس سے تہی دست ہیں''۔(الفصل فی الملل والاہواء والنحل ۸۲/۲)

حافظ ابوعلی جیانیؒ فرماتے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں جو اللہ پاک نے خصوصیت کے ساتھ اس امت کو عطا کی ہیں۔ اس سے پہلے کسی کو یہ نہیں دی گئی ہیں: (۱) اِسناد (۲) اَنساب (۳) اِعراب''۔(منہج النقد، ص:۳۶)

محدثین کی گراں قدر کوششوں اور حدیث کی حفاظت واشاعت کی خاطر اپنے آپ کو گھلا دینے کا نتیجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات وفرمودات کے قابلِ قدر مجموعے اپنی اصل اور حقیقی شکل میں امت کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔

فنی طور پر حفاظت حدیث

فنی طور پر حفاظتِ حدیث کا آغاز عہدِ صحابہ میں ہی ہوگیا تھا؛ چنانچہ صحابۂ کرامؓ روایت حدیث میں کئی قوانین اوراصول کا لحاظ رکھتے تھے؛ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عامۃ الصحابہ تقلیلِ روایت پر ہی کاربند تھے، جدہ کی میراث کے سلسلے میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جب رسولِ اکرم ﷺ سے چھٹا حصہ دینے کو نقل کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ''؟ جس پر محمدؓ بن مسلمہ نے کھڑے ہوکر حضرت مغیرہؓ کی تائید

فرمائی۔(معرفۃ علوم الحدیث،ص:۱۴،۱۵)

اس سے عہدِ صحابہ میں روایت کے سلسلے میں احتیاط کا پتہ چلتا ہے؛ بلکہ حافظ ذہبیؒ نے تو بعض کبارِ صحابہؓ کے بارے میں شواہد کے ساتھ یہ بات نقل کی ہے؛ چناں چہ ذہبیؒ حضرت ابوبکرؓ کے ترجمے میں کہتے ہیں: ''**وكان أول من احتاط في قبول الأخبار**'' حضرت عمر بن الخطابؓ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''**وهو الذي سن للمحدثين التثبت في النقل، وربما كان يتوقف في خبر الواحد اذاارتاب**''. اور حضرت علیؓ کے سلسلے میں رقم طراز ہیں: ''**كان إمامًا عالما متحريا في الأخذ بحيث أنه يستحلف من يحدثه بالحديث**''.(**تذكرة الحفاظ، ص: ۱/۱۰**)

کتب ستہ یا صحاح ستہ

دورِ صحابہؓ کے بعد قرن ثانی کے آغاز میں احادیث کو باضابطہ مدون کرنے کی سرکاری اور غیر سرکاری کوششیں ہوئیں۔ جرح وتعدیل اور نقد رِجال کے قوانین پر احادیث کو پرکھا جانے لگا۔ تیسری صدی تدوینِ حدیث کا سنہرا دور ہے، جس میں امیرالمومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے صحیح احادیث کا عظیم مجموعہ مرتب کیا اور باقی اصحابِ ستہ نے بھی خاص نہج پر کتابیں مرتب کیں۔ ان کے علاوہ بھی مختلف معاجم، مسانید، سنن اور مستخرجات ومؤلفات وجود میں آئیں؛ لیکن ان تمام کتب روایت میں شہرت وقبولیت کے اعتبار سے جو مقام ومرتبہ اصولِ ستہ کے حصے میں آیا وہ اور کتابوں کو نصیب نہ ہوسکا، ان ہی اصولِ ستہ کو علماء ہند کی اصطلاح میں ''صحاح ستہ'' کہا جاتا ہے۔ جب کہ دیارعرب میں عموماً ''الکتب الستہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آئندہ صفحات میں مختلف جہتوں سے اصولِ ستہ پر روشنی ڈالتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ مشترکہ خصوصیات کو واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

صحاحِ ستہ کی تحقیق

''صحاح'' صحیح کی جمع ہے۔ بروزن فعیل سقیم کی ضد ہے۔اجسام یعنی محسوسات میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہےاور معنویات میں بھی۔اگر محسوسات میں استعمال ہوتو لغۃً اس کا معنی ہوگا ''**الشيء السليم من الأمراض والعيوب**'' یعنی وہ چیز جو امراض وعیوب سے صحیح سالم ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ واضعِ لغت نے اس لفظ کو سلامت من العیوب ہی کے لیے وضع کیا ہے؛ لہٰذا یہی اس کا معنی حقیقی ہے،اور معنویات میں یہ جس معنی کے لیے مستعمل ہے، وہ اس کا معنی مجازی ہے۔مثلاً قول وحدیث کی صفت صحیح آتی ہےتو اس وقت ترجمہ ہوگا ''**ما اعتُمد عليه**'' یعنی قول صحیح وہ ہے جس پر اعتماد کیا جائے۔(تیسیر مصطلح الحدیث،ص:۴۴)

اور اصطلاح میں صحیح خبر واحد کی ایک قسم ہے۔

صحاحِ ستہ کا مصداق

صحاحِ ستہ سے مراد حدیث پاک کی چھ مشہور ومعروف کتابیں ہیں: (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داوٗد (۵) جامع ترمذی (۶) سنن ابن ماجہ۔ان چھ کتابوں کو ''اصولِ ستہ، صحاحِ ستہ، کتبِ ستہ اور امہاتِ ست'' بھی کہتے ہیں (مسک الختام ۱/۱۷)۔ان کتب ستہ میں بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر ''صحیحین'' اور باقی چار کتابوں پر ''سنن'' کا بھی اطلاق کردیا جاتا ہے۔

بخاری اور مسلم پر ''صحیح'' کا اطلاق متفق علیہ ہے،البتہ باقی کتابوں پر ''صحیح'' کے اطلاق میں اختلاف ہے۔اگرچہ حافظ ابن مندہؒ نے اپنی کتاب ''شروط الأئمۃ'' میں سنن ابوداوٗد اور سنن نسائی پر جب کہ خطیب بغدادیؒ نے سنن ترمذی اور سنن نسائی پر صحت کا اطلاق کیا ہے۔(دیکھیے: شروط الأئمۃ لابن مندہ:۴۲، کشف المغیث فی شرح مقدمۃ الحدیث:۴۰۸،۴۰۹)

صحاح ستہ کا مطلب اور غلط فہمی کا ازالہ

صحاح ستہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان چھ کتابوں میں جتنی روایات ہیں، سب صحیح ہیں اور نہ یہ نظریہ درست ہے کہ صرف ان ہی کتبِ ستہ کی روایات صحیح ہیں۔ باقی کتب حدیث کی روایات درجۂ صحت تک نہیں پہنچتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کتابوں کی روایات زیادہ تر صحیح ہیں، اس لیے انھیں تغلیباً صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔

حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں: ''**ومن عليها أطلق الصحاح فقد أتى تساهلا صريحًا**''. (فتح المغيث ١/١٠٠)

یعنی ان کتابوں پر صحاح کا اطلاق تساہلا اور تسامحا ہے۔

علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں: ''**تسمية هذه الكتب صحاحاً أماهو باعتبار الأغلب لأن غالبها الصحاح والحسان وهي ملحقة بالصحاح، والضعيف منها ربما التحق بالحسن بإطلاق الصحة عليها في باب التغليب**''. (نكت الزركشي على ابن الصلاح ١/٣٨٠)

یہی توجیہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

''کتب ستہ کہ مشہور اند در اسلام گفتہ اند صحیح بخاری وصحیح مسلم وجامع ترمذی وسنن ابی داؤد وسنن نسائی وسنن ابن ماجہ است۔ ودریں کتب آنچہ اقسامِ حدیث است از صحاح وحِسان وضِعاف ہمہ موجود است، وتسمیہ آں بصحاح بہ طریقِ تغلیب است''۔ (اشعة اللمعات)

''چھ کتابیں جو کہ اسلام میں مشہور ہیں، محدثین کے مطابق وہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ ہیں۔ ان کتابوں میں حدیث کی جتنی قسمیں ہیں صحیح، حسن اور ضعیف، سب موجود ہیں اور ان کو صحاح کہنا تغلیب کے طور پر ہے''۔

اسی لیے حافظ ابو طاہر سلفیؒ نے جو فرمایا ہے: **الكتب الخمسة (البخاري ومسلم والترمذي وأبي داؤد والنسائي) اتفق على صحتها علماء**

المشرق والمغرب". (تدریب الراوی: ۱/۱۶۵) جس میں انہوں نے ترمذی، ابوداؤداورنسائی پر بھی صحیح کا اطلاق کردیا ہے؛ محقق علما نے حافظ سلفی کے اس قول کی تردید کی ہے، چنانچہ ابن الصلاح، علامہ طاہر جزائری، علامہ سیوطی اور حافظ ابن الملقن نے اس کو سلفیؒ کا تساہل قرار دیا ہے، جب کہ امام نووی اور حافظ عراقی وغیرہ نے اس قول کی تاویل کی ہے۔ (دیکھیے: کشف المغیث شرح مقدمۃ الحدیث: ۴۳۸-۴۴۲)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"صحاحِ ستہ" کے نام سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہر حدیث صحیح ہے، اور بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں؛ لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ صحاح ستہ کی ہر حدیث صحیح ہے اور نہ اُن سے باہر کی ہر حدیث ضعیف ہے؛ بلکہ صحاح ستہ کی اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان چھ کتابوں کو پڑھ لے اس کے سامنے اصولِ دین سے متعلق صحیح روایات کا ایک بڑا ذخیرہ آجاتا ہے، جو دین کے معاملات میں کافی ہے۔ (درسِ ترمذی، مقدمہ ۱/۱۲۶)

اس لیے بعض متقدمین محدثین کو بھی کسی کتاب کو وصف صحیح کے ساتھ متصف کرنے پر تحفظات رہے ہیں۔ خود امام ابوزرعہ رازیؒ نے بھی امام مسلمؒ کی صحیح کو دیکھ کر اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ سعید بن عمروؒ کہتے ہیں: میری موجودگی میں ایک شخص ابوزرعہ رازیؒ کے پاس مسلم بن حجاج کی کتاب "الصحیح" لے آیا، ابوزرعہؒ نے اس کے بعض رواۃ پر نقد فرمایا اور کہا:

"يطرق لأهل البدع علينا، فيجدون السبيل بأن يقولوا للحديث إذا احتج عليهم به: ليس هذا في كتاب "الصحيح". (شروط الأئمة الخمسة للحازمي ضمن ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث، تحقيق: الشيخ عبدالفتاح. ص ۱۸۵)

یعنی مسلم نے اس کتاب کے ذریعے اہل بدعت کو راہ فراہم کردی ہے، ان کے خلاف جب کسی حدیث سے استدلال کیا جائے گا تو اس کے متعلق انہیں کہنے کا موقع

رہے گا کہ یہ حدیث "الصحیح" میں نہیں ہے۔

اس پر حازمیؒ نے امام مسلمؒ کی طرف سے اعتذار بھی نقل کیا ہے۔ کہ امام مسلمؒ نے ابوزرعہ اسی طرح محمد بن مسلم بن وارہؒ سے عذر کرتے ہوئے کہا: میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ جس حدیث کی میں نے اس کتاب میں تخریج نہیں کی ہے وہ ضعیف ہے، البتہ میں نے صحیح حدیث سے اس کی تخریج کی ہے تا کہ میرے اور میرے شاگردوں کے پاس صحیح حدیث کا ایک مجموعہ ہو جائے اور اس کی صحت میں کوئی شبہ نہ رہے۔ یہ میں نے نہیں کہا ہے کہ اس کے علاوہ جو بھی حدیث ہے وہ ضعیف ہے۔ (المصدر السابق ص: ۱۸۹)

اصحاب صحاح ستہ

نمبر شمار	اسماء گرامی	سن ولادت	سن وفات
۱	محمد بن اسماعیل بخاریؒ	۱۹۴ھ ۸۱۰ء	۲۵۶ھ ۸۷۰ء
۲	مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ	۲۰۶ھ ۸۲۲ء	۲۶۱ھ ۸۷۵ء
۳	ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ	۲۰۲ھ ۸۱۷ء	۲۷۵ھ ۸۸۸ء
۴	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ	۲۰۹ھ ۸۲۴ء	۲۷۹ھ ۸۹۲ء
۵	ابوعبداللہ احمد بن شعیب نسائیؒ	۲۱۴ھ ۸۲۹ء	۳۰۳ھ ۹۱۵ء
۶	محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہؒ	۲۰۹ھ ۸۲۴ء	۲۷۳ھ ۸۸۶ء

امام ابن ماجہ کے علاوہ ابتدائی ائمہ خمسہ کے اسامی ان کی سن وفات کے اعتبار سے ہیں، حافظ ابوبکر حازمیؒ نے اسی ترتیب سے یہ نام اپنی کتاب "شروط الأئمة الخمسة" میں ذکر کیے ہیں۔ ورنہ صحت کے اعتبار سے نسائیؒ کی کتاب کو سنن ابوداؤد پر ترجیح حاصل ہے، اس کے بعد ترمذی اور ابن ماجہ کا درجہ ہے۔ بعض حضرات، نسائی پر سنن ابوداؤد کی ترجیح کے قائل ہیں، کیوں کہ ابن جوزیؒ نے کتب ستہ کی جن احادیث پر نقد کیا

ہے، ان کی تعداد نسائیؒ کی بہ نسبت ابوداؤ میں کم ہے۔ چنانچہ ایسی احادیث نسائی میں دس ہیں، جب کہ ابوداؤد میں یہ صرف نو ہیں۔ علماء محققین نے اس معیار کونہیں مانا ہے۔

(دیکھیے: شروط الأئمہ الستۃ ص:۸۸، ح:۱، شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ)

آئندہ مستقل عنوان کے تحت اس موضوع پر مزید تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔



''صحاحِ ستہ'' کی اصطلاح: عہد بہ عہد

محدثین کے یہاں کتب ستہ یا صحاحِ ستہ کی اصطلاح کو بہ تدریج فروغ ملا ہے؛ چنانچہ حافظ سعید بن السکن (م۳۵۳ھ) چار کتبِ حدیث کو ہی اسلام کی بنیاد خیال کرتے تھے؛ چنانچہ ایک موقع پر انھوں نے فرمایا تھا: ''**هٰذه قواعد الإسلام، كتاب مسلم وكتاب البخاري وكتاب أبي داؤد وكتاب النسائي**''. (شروط الائمه الستة ص۱۶، امام ابن ماجه اور علم حديث ص۲۳۳)

''یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، امام مسلم کی کتاب، امام بخاری کی کتاب، ابوداؤد کی کتاب اور نسائی کی کتاب''

اسی طرح حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے بھی مخرجین صحاح میں انہی ائمۂ اربعہ کے ذکر پر اکتفا کیا تھا، گویا وہ بھی صحاحِ اربعہ کے قائل نظر آتے ہیں۔

بعد میں حافظ احمد بن محمد ابوالطاہر السِّلَفی (م۵۷۶ھ) نے جامع ترمذی کو بھی مذکورہ بالا چاروں کتابوں کے ساتھ شمار کر کے تصریح کی کہ ان پانچوں کتابوں کی صحت پر علماء شرق وغرب کا اتفاق ہے۔ بلکہ حافظ ابواسماعیل عبداللہ انصاریؒ نے فرمایا: ''**كتابه عندي أنفع من كتابي البخاري ومسلم، لأن كتابي البخاري ومسلم لايقف على الفائدة منهما إلا المتبحر العالم، وكتاب أبي عيسى يصل إلى فائدته كل أحد من الناس**''. (شروط الأئمة الستة ص۱۰۱)

''ترمذیؒ کی کتاب میرے نزدیک بخاریؒ اور مسلمؒ کی کتاب سے زیادہ نفع بخش ہے، اس لیے کہ بخاریؒ اور مسلمؒ کی کتاب سے متبحر عالم ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، جب کہ

ترمذیؒ کی کتاب سے ہر کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔“

حافظ ابوالطاہر سلفیؒ کے بعد بہت سے علماء وحفاظ حدیث بالخصوص حافظ ابن الصلاح اور امام نووی بھی انہی پانچ کتابوں کے کتبِ اصول میں ہونے کے قائل رہے اور اسی پس منظر میں امام ابوبکر حازمیؒ نے ”شروط الائمۃ الخمسۃ“ تالیف فرمائی۔

لیکن بعض حضرات نے ابن ماجہ کی جودتِ ترتیب، فقہی اعتبار سے کثیرالنفع اور دیگر کتب کے مقابلے میں زائد روایات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے سنن ابن ماجہ کو بھی کتبِ اصول میں شمار کر کے چھ کتابوں کو امہاتِ کتب قرار دیا۔ اور اس وقت بھی کتبِ ستہ یا صحاحِ ستہ کی مصداق یہی چھ کتابیں ہیں۔

علامہ ابوالفضل ابن طاہر مقدسی پہلے محدث ہیں جنھوں نے ابن ماجہ کو سابقہ کتب خمسہ کے ساتھ لاحق کیا؛ چنانچہ علامہ محمد بن جعفر الکتانی (م۱۳۴۵ھ) لکھتے ہیں:

”و أول من أضافه إلى الخمسة مكملا به الستة أبو الفضل محمد بن طاهر بن علي المقدسي في أطراف الكتب الستة له، وكذا في شروط الأئمة الستة له، ثم الحافظ عبدالغني بن عبدالواحد بن علي بن سرور المقدسي في الكمال في أسماء الرجال، فتبعهما على ذلك أصحاب الأطراف والرجال والناس“. (الرسالة المستطرفة ص ۱۲، دار البشائر الإسلامية)

پہلے شخص جنھوں نے ابن ماجہ کو پانچ کے ساتھ ملا کر چھ کا عدد پورا کیا، وہ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی ہیں، انھوں نے اپنی کتاب ”اطراف الکتب الستۃ“ اور ”شروط الائمۃ الستۃ“ میں ایسا کیا۔ پھر حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی نے اپنی کتاب ”الکمال فی اسماء الرجال“ میں ایسا کیا۔ پھر کتب اطراف ورجال کے مصنّفین اور دیگر حضرات اس سلسلے میں ان دونوں حضرات کے نقشِ قدم پر چل پڑے“۔

موطا کے بجائے ابن ماجہ کو چھٹی کتاب قرار دینے کی وجہ یہ تھی کہ موطا میں چند ہی

ایسی زائد مرفوع روایات ہیں، جو کتب خمسہ میں نہیں ہیں، جب کہ ابن ماجہ کی زائد مرفوع روایات موطا سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

" وإنما عد ل ابن طاهر ،ومن تبعه عن عد الموطأ إلى عد ابن ماجه؛ لكون زيادات الموطأ على الكتب الخمسة من الأحاديث المرفوعة يسيرة جدا؛ بخلاف ابن ماجه؛فان زياداتها أضعاف زيادات الموطأ، فأرادوا بضم كتاب ابن ماجه إلى الخمسة تكثيرا للأحاديث المرفوعة."(النکت علی ابن الصلاح: ۱/۴۸۷)



صادسِ ستہ کی تعیین میں اختلاف

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حافظ ابوالفضل مقدسی (م۵۰۷ھ) پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتبِ خمسہ کے پہلو بہ پہلو سنن ابن ماجہ کو جگہ دی۔ اسی عہد میں مقدسی کے معاصر محدث رزین بن معاویہ عبدری مالکی (م۵۲۵ھ) نے اپنی کتاب ''التجرید للصحاح والسنن'' میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کی حدیثوں کو درج کیا ہے۔ اس بنا پر بعد کے علماء میں اختلاف ہوا کہ صحاحِ ستہ کی چھٹی کتاب موطا کو قرار دیا جائے یا اس کی جگہ سنن ابن ماجہ کو رکھا جائے؟

محدث مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری (م۶۰۶ھ) نے اپنی مشہور ومقبول عام کتاب ''جامع الاصول'' میں محدث رزین ہی کی رائے کو راجح خیال کیا ہے؛ اسی لیے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالے سے کوئی روایت درج نہیں ہے۔ اسی طرح حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی کی تصریح ہے۔

''أولى ما أرشد إليه ما اتفق المسلمون على اعتماده وذلك الكتب الخمسة والموطا الذي تقدمها وضعا ولم يتأخر عنها رتبة''.

(تدریب الراوی ص۵۶)

''جو کچھ بتایا گیا ہے ان سب میں اولیٰ وہ کتابیں ہیں جن کے اعتماد پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ وہی کتبِ خمسہ ہیں اور موطا ہے جو تصنیف میں ان سے مقدم ہے اور رتبہ میں کم نہیں ہے''

اور علامہ محدث عبدالغنی نابلسی حنفی (م۱۱۴۳ھ) اپنی مشہور کتاب ''ذخائر

المواريث في الدلالة على مواضع الحديث'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''وقد اختلف في السادس فعند المشارقة هو كتاب السنن لأبي عبد اللّٰه محمد بن ماجة القزويني وعند المغاربة كتاب الموطا للإمام مالك بن أنس الأصبحي.''

''چھٹی کتاب کے بارے میں اختلاف ہے۔اہل مشرق کے نزدیک وہ ابوعبداللہ محمد بن ماجہ قزوینی کی کتاب السنن ہےاوراہل مغرب کے نزدیک امام مالک بن انس اصبحی کی کتاب موطا''

لیکن عام متاخرین کا فیصلہ ابن ماجہ ہی کے حق میں ہے۔محدث ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں:

''غالب المتأخرين على أنه سادس الستة'' اکثر متاخرین اس بات کے قائل ہیں کہ کتب ستہ میں چھٹی کتاب ابن ماجہ ہی ہے'' ۔(امام ابن ماجہ اورعلم حدیث ص۲۳۳-۲۳۴)

غرضیکہ کتبِ ستہ میں چھٹی کتاب ابنِ ماجہ ہے یا موطا مالک یا مسند دارمی؟اس حوالے سے ابتدائی مصنّفین میں خاص اختلاف رہااور مجموعی اعتبار سے تین اقوال ملتے ہیں:

۱- مشارقہ اوراکثر علماءاس بات کے قائل ہیں کہ سادسِ ستہ سنن ابن ماجہ ہی ہے۔

۲- رزین بن معاویہ عبدری،ابن اثیر جزری اور مغاربہ کی رائے یہ ہے کہ کتبِ ستہ میں چھٹی کتاب موطاامام مالک ہے۔

۳- حافظ ابن الصلاح،امام نووی،صلاح الدین علائی اورابن حجر عسقلانی وغیرہ کی رائے میں سادسِ ستہ،مسند دارمی کوقرار دینا اولیٰ ہے۔

علامہ کتانیؒ فرماتے ہیں:

ومنهم من جعل السادس الموطا كرزين بن معاوية العبدري في التجريد، وأثير الدين أبي السعادات المبارك بن محمد المعروف بابن الأثير الجزري الشافعي في جامع الأصول، وقال قوم من الحفاظ:

منهم ابن الصلاح والنووي وصلاح الدين العلائي والحافظ ابن حجر: لو جعل مسند الدارمي سادسا لكان أولىٰ. (الرسالة المستطرفة ص ۱۳)

''بعض حضرات نے چھٹی کتاب موطا کو قرار دیا ہے، جیسے رزین بن معاویہ عبدری نے التجرید میں اور اثیرالدین ابوالسعادات ابن الاثیرالجزری الشافعی نے جامع الاصول میں۔ اور حفاظ کی ایک جماعت جس میں ابن الصلاح، نووی، صلاح الدین علائی اور حافظ ابن حجر شامل ہیں، کا خیال یہ ہے کہ اگر مسند دارمی کو چھٹی کتاب قرار دیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

علامہ کتانیؒ نے مزید ایک قول نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات صحاحِ ستہ ہی نہیں؛ بلکہ صحاحِ سبعہ کے کتبِ اصول ہونے کے قائل ہیں۔ یعنی (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داؤد (۵) جامع ترمذی (۶) ابن ماجہ (۷) موطا امام مالک، بعض حضرات نے اس فہرست میں موطا کی جگہ سنن دارمی کو رکھا ہے۔ کتانی کہتے ہیں:

''ومنهم من جعل الأصول سبعة، فعدّ منها زيادة على الخمسة كلا من الموطا وابن ماجه، ومنهم من أسقط الموطا وجعل بدله سنن الدارمي'' (الرسالة ص ۱۳)

''بعض حضرات نے سات کتابوں کو اصول قرار دیا ہے۔ ان سات کتابوں میں کتبِ خمسہ کے علاوہ ابن ماجہ اور موطا دونوں کو شمار کیا ہے۔ اور بعض نے موطا کو ساقط کر کے اس کی جگہ مسند دارمی کو رکھا ہے۔''

غرضیکہ شروع میں ایک عرصے تک اس طرح کا جزوی اختلاف رہا؛ لیکن بالآخر صحاحِ ستہ کی اصطلاح رائج ہوئی اور سادسِ ستہ کا سہرا ''سنن ابن ماجہ'' ہی کے سر بندھا۔



اغراضِ مؤلفین صحاح ستہ

صحاح ستہ کے مؤلفین کی اغراض تالیف مختلف رہی ہیں:

امام بخاریؒ کی غرض تالیفِ احکام اور استنباطِ مسائل ہے، بعض مرتبہ استنباط اس قدر دقیق ہوتا ہے کہ روایت اور ترجمۃ الباب میں مطابقت کے لیے دقتِ نظری سے کام لینا پڑتا ہے۔ امام بخاریؒ بسا اوقات پوری حدیث ایک جگہ نہیں نقل کرتے؛ بلکہ مختلف مواقع پر اس کے وہی ٹکڑے ذکر کرتے ہیں جس سے وہاں حکم مستنبط ہو رہا ہے۔ امام بخاریؒ کے تراجم آپ کی دقت نظر اور تفقہ کی ترجمانی کرتے ہیں؛ اس لیے مشہور ہے: **فقه البخاری في تراجمه** خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ آپ کے قائم کردہ تراجم کے سلسلے میں کہتے ہیں:

"سبّاق الغايات وصاحب الآيات في التراجم لم يسبق به أحد من المتقدمين ولم يستطع أن يحاكيه من المتأخرين فكان هو فاتحا لذلك الباب وصار هو الخاتم". (مقدمہ فیض الباری ۱/۳۵)

ترجمہ: اہداف تک سب سے پہلے پہنچنے والے اور تراجم قائم کرنے میں عجیب کمالات کے مالک ہیں، نہ تو متقدمین میں سے کوئی اُن پر سبقت کر سکا اور نہ متاخرین میں سے کوئی آپ کا نہج اختیار کر سکا، گویا آپ ہی اس دروازے کو وا کرنے والے اور خود ہی اس سلسلے کو ختم کر دینے والے ہیں۔

فائدہ: "**فقه البخاری في تراجمه**" (امام بخاریؒ کی فقہ ان کے تراجم میں ہے) کے دو مطلب ذکر کیے گئے ہیں: ایک مطلب یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا مسلک اور

فقہی رجحان ان کے تراجم سے آشکارا ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ امام بخاریؒ کی دقتِ نظری اور ذکاوت ان تراجم سے واضح ہوتی ہے۔ یعنی فقہ یا تو اپنے معروف معنی میں ہے یا ذکاوت اور دقتِ نظری کے معنی میں ہے؛ چنانچہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''فقه البخاری في تراجمه، ولهذا القول عند شيخنا محملان، الأول: أن المسائل التي اختارها من حيث الفقه تظهر من تراجمه، والثاني: أن تفقهه وذكاءه ودقة فكره يظهر في تراجمه''. (معارف السنن ۱/۲۳)

امام مسلمؒ کا وظیفہ صحیح احادیث کا جمع کرنا ہے؛ چنانچہ وہ ایک موضوع کی حدیث کو اس کے تمام صحیح طرق کے ساتھ ایک جگہ مرتب شکل میں جمع کر دیتے ہیں، استنباط سے ان کی کوئی غرض متعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ اپنی کتاب کے تراجم ابواب بھی انھوں نے خود قائم نہیں کیے؛ بلکہ بعد کے لوگوں نے حواشی میں بڑھائے ہیں۔ ہمارے موجودہ ہندوستانی نسخے میں قائم کردہ عنوانات امام نوویؒ کے ہیں۔

امام نسائیؒ کا مقصد زیادہ تر عللِ اسانید بیان کرنا ہے؛ چنانچہ وہ احادیث کی عللِ خفیّہ پر **''هٰذا خطأ''** کہہ کر متنبہ کرتے ہیں۔ پھر وہ حدیث لاتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہو، اس کے ساتھ استنباطِ احکام پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے۔

امام ابوداؤدؒ کا وظیفہ مستدلاتِ ائمہ بتلانا ہے؛ اس لیے وہ ان احادیث کو تمام طرق کے ساتھ یکجا ذکر کر دیتے ہیں، جن سے کسی فقیہ نے کسی بھی فقہی مسئلہ پر استدلال کیا ہو؛ اس لیے وہ امام مسلمؒ کی طرح صحیح احادیث کی پابندی نہیں کر سکے؛ البتہ **''قال أبو داؤد''** کے عنوان سے وہ ضعیف اور مضطرب احادیث پر کلام کرنے کے بھی عادی ہیں۔

امام ترمذیؒ کا مقصد اختلافِ ائمہ کو بتلانا ہے؛ اس لیے وہ ہر فقیہ کے مستدل کو جداگانہ باب میں ذکر کر کے ان کا اختلاف نقل کرتے ہیں۔ ہر باب میں عموماً صرف ایک حدیث لاتے ہیں اور باقی احادیث کی طرف **وفي الباب عن فلان وفلان** کہہ

کر اشارہ کر دیتے ہیں۔

امام ابن ماجہؒ کا طریقہ امام ابوداوٗدؒ کے مشابہ ہے۔فرق یہ ہے کہ اس میں صحیح اور سقیم ہر طرح کی احادیث آ گئی ہیں۔ (دیکھیے: مقدمہ درس ترمذی ۱/۱۲۷)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہر حدیث پڑھنے والے کو سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس حدیث کے متعلق ائمہ کیا کہتے ہیں اور ان کا مذہب کیا ہے؟ یہ بات ترمذی سے معلوم ہوگی۔ اس کے بعد جب مذہب معلوم ہوگیا تو اب ضرورت ہے کہ اس کی دلیل معلوم ہو، وہ وظیفہ ابوداوٗد کا ہے۔اس کے بعد اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ کیسے مستنبط ہوا؟ یہ وظیفہ بخاریؒ کا ہے کہ وہ استنباطِ مسائل کا طریقہ دکھلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں۔اس کے بعد جب احادیث سے مسائل مستنبط ہوگئے اور دلائل سامنے آ گئے تو ان دلائل کی تقویت کے لیے اسی مضمون کی دوسری حدیث کی بھی ضرورت ہوتی ہے، یہ کمی امام مسلمؒ پوری کرتے ہیں، اب آدمی مولوی ہوجاتا ہے۔اب اس کے بعد اس کو محقق بننے کی ضرورت ہوتی ہے؛ تاکہ یہ معلوم کرے کہ یہ حدیث جو مستدل بن رہی ہے، اس کے اندر کوئی علت تو نہیں، اس کا تعلق نسائی سے ہے۔ اس کے بعد آدمی کو ایک مستقل بصیرت حاصل ہوجاتی ہے، اب اس کو چاہیے کہ وہ احادیث پر غور کرے اور خود دیکھے کہ اس حدیث کے اندر کوئی علت تو نہیں؛ کیوں کہ نسائی شریف کے اندر تو خود امام نسائیؒ ساتھ دے رہے تھے اور بتلاتے جاتے تھے کہ اس حدیث میں یہ علت ہے؛ لیکن اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بغیر کسی کے مطلع کیے ہوئے خود احادیث کو پرکھے اور علل کو تلاش کرے، اس کے اندر معین ابن ماجہ ہے؛ کیوں کہ اس میں احادیث گڈمڈ ہیں اور کسی کے متعلق یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے، انھی اغراض کے پیش نظر ہمارے اکابر نے مذکورہ بالا ترتیب قائم فرمائی تھی''۔ (سراج القاری، ج۱، مقدمہ الکتاب، ص:۵۳)

☆ ☆ ☆

شرائط مؤلفین صحاح ستہ

صحاح ستہ کے مؤلفین نے کہیں یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ ان کے پیشِ نظر کیا شرائط ہیں، بعد کے محدثین نے ان کی مُصنَّفات اور ذکر کردہ روایات کو دیکھ کر شرائط کا استنباط کیا ہے۔علامہ زاہد کوثریؒ فرماتے ہیں:

ہماری معلومات کے مطابق شرائطِ ائمہ پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والے حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن مندہ (م ۳۹۵ھ) ہیں، جنھوں نے ایک جزء تالیف کیا اور اس کا نام رکھا "شروط الأئمة في القراءة والسماع والمناولة والإجازة".

(تعلیق شروط الائمة الخمسة مطبوع مع سنن ابن ماجه ص: ۷۳)

البتہ اس موضوع پر حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی (م ۵۸۴ھ) کی "شروط الأئمة الخمسة" اور حافظ ابوالفضل ابن طاہر مقدسی کی "شروط الأئمة الستة" کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں بھی اول الذکر کو کوئی اعتبار سے ثانی الذکر پر فوقیت حاصل ہے۔

رواۃ کے طبقاتِ خمسہ

مؤلفین اصولِ ستہ کی شرائط کو سمجھنے سے پہلے رواۃ کے طبقاتِ خمسہ سے واقفیت ضروری ہے؛ چنانچہ علامہ حازمیؒ فرماتے ہیں: اوصاف کے لحاظ سے رواۃ پانچ طرح کے ہیں:

(۱) **كثير الضبط والإتقان وكثير الملازمة للشيوخ:** جس کا حافظہ اور اتقان بڑا قوی ہو اور مشائخ کی مصاحبتِ طویلہ اسے نصیب ہو، جیسے یونس بن یزید ایلی،

اور زہری کے شاگرد مالک ابن عیینہ اور بن ابی حمزہ۔

(۲) **كثير الضبط و الاتقان وقليل الملازمة:** ضبط اور اتقان تو مضبوط ہو؛ لیکن شیخ کی زیادہ مصاحبت نصیب نہ ہوئی ہو۔ جیسے امام ابوعبدالرحمٰن اوزاعی فقیہ شام، لیث بن سعد اور ابن ابی ذئب۔

(۳) **قليل الضبط كثير الملازمة:** مشائخ سے طویل مصاحبت رہی ہو؛ لیکن حافظہ قوی نہ ہو، جیسے جعفر بن برقان، اسحاق بن یحییٰ اور سفیان بن حسین۔

(۴) **قليل الضبط قليل الملازمة:** یعنی حافظہ بھی کمزور اور مشائخ سے زیادہ ربط بھی نہ ہو، جیسے ربیعہ بن صلاح اور مثنیٰ بن الصباح۔

(۵) **قليل الضبط وقليل الملازمة:** ہونے کے ساتھ مطعون بھی ہو، یعنی اس پر وجوہ طعن میں سے کوئی طعن ہو، جیسے عبدالقدوس شامی۔

امام بخاریؒ رُواۃ کے طبقاتِ خمسہ میں سے صرف پہلے طبقہ یعنی **قوی الضبط كثير الملازمة** سے روایت لیتے ہیں اور کبھی تائیداً دوسرے طبقہ سے بھی لے لیتے ہیں۔ امام مسلمؒ پہلے دو طبقوں کو بلا تکلف لاتے ہیں اور تیسرے طبقے کو بھی تائید کے لیے لے آتے ہیں۔ باقی یعنی چوتھے اور پانچویں درجے کے راوی کو ترک کر دیتے ہیں۔ امام ابوداؤد ابتدائی چاروں طبقات رواۃ کی روایت لیتے ہیں اور طبقۂ خامسہ سے روایت کی تخریج نہیں کرتے ہیں۔ امام نسائیؒ اول، ثانی اور ثالث کی روایات لیتے ہیں، جب کہ امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ پانچوں قسم کے رواۃ کی روایات ذکر کرتے ہیں؛ لہٰذا بخاری کا مرتبہ اول، مسلم کا مرتبہ ثانی، نسائی کا ثالث، ابوداؤد کا رابع، ترمذی کا خامس اور ابن ماجہ کا سادس قرار پائے گا۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: **الإمام البخاري يخرج في المتابعات من الثانية، فقليلاً جدًا من الثالثة تعليقًا أو ترجمة أيضاً، ومسلم يخرج من الثانية في الأصول ومن الثالثة في المتابعات، وأصحاب السنن**

يـخـر جـون من الثالثة أيضاً في الأصول، - انتهى ملخصا-. (هدى الساري ۱۲، ۱۳، دار الحديث القاهرة)

ترجمہ: امام بخاریؒ متابعات میں طبقۂ ثانیہ سے روایت لاتے ہیں، اور تعلیق یا ترجمہ کے طور پر شاذ و نادر طبقہ ثالثہ سے بھی اخذِ روایت کرتے ہیں۔ امام مسلمؒ اصول میں طبقۂ ثانیہ اور متابعات میں ثالثہ سے اخذ روایت کرتے ہیں؛ جب کہ اصحابِ سنن اصول میں بھی طبقۂ ثالثہ سے روایت کی تخریج کرتے ہیں''۔

ان اربابِ صحاح کی اختیار کردہ مذکورہ بالا شرطوں کے علاوہ جو عمومی شرطیں ہیں، وہ سب کے یہاں متفق ہیں۔ مثلاً اسلام، عقل، صدق، عدمِ تدلیس اور عدالت وغیرہ۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے شرائط پر گفتگو کرتے ہوئے ایک اہم نکتے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''والـمـراد بهذه الشروط أنهم لا ينزلون في رواية الأحاديث عنها، فيـروون مـا هـو أعـلـى مـمـا شـرطوا، وكثيرا مّا يقال باعتبار كثرة الـمـلازمة وقلتها: إن فلانا قوي في فلان، وإن فلانا ضعيف في حق فلان، وإن كان هو ثقة في نفسه، ويرجع ذلک إلى أسباب، فظهر أن الضعف قسمان: ضعف في نفسه وضعف في غيره''. (معارف السنن ۱/۲۰)

ترجمہ: شرائط سے مراد یہ ہے کہ اربابِ صحاح، احادیث کی روایت میں ان سے نیچے نہیں اترتے، اور اپنی شرط سے اعلیٰ سے اخذِ روایت کرتے ہیں۔ بہت سی مرتبہ کثرتِ ملازمت اور قلت ملازمت کو بنیاد بنا کر کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں، فلاں کے سلسلے میں قوی ہے اور فلاں فلاں کے سلسلے میں ضعیف ہے۔ اگرچہ وہ فی نفسہٖ ثقہ ہو اور اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ضعف دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ ضعف جو خود راوی کی ذات میں ہوتا ہے اور ایک وہ ضعف جو غیر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

صحاح ستہ کی درجہ وار ترتیب

صحت کے اعتبار سے پہلے نمبر پر صحیح بخاری ہے۔اس کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں۔ابو علی حسین بن علی نیشا پوری (م ۳۴۹ھ) کے قول **"ما تحت أديم السماء أصح من كتاب مسلم"** (روئے زمین پر مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے) کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ صحیح مسلم کی اصحیت کو مستلزم نہیں؛ کیوں کہ اس میں مسلم کے مقابلے میں زیادتِ صحت کی نفی کی گئی ہے،تو ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک دونوں کتابیں صحت میں مساوی درجہ رکھتی ہوں۔ (نزہۃ النظر،ص ۷۰، مکتبۃ السنۃ دیوبند)

جہاں تک تعلق ہے امام شافعیؒ کے اس قول کا **"لا أعلم بعد كتاب الله عز وجل أصحّ من موطأ مالك"** تو یہ صحیحین کے وجود میں آنے سے پہلے کا ہے، جیسا کہ حافظ عراقی نے شرح الفیہ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح بعض مغاربہ مثلاً ابن حزم (م ۴۶۵ھ) سے صحیح بخاری پر صحیح مسلم کی افضلیت کا جو قول نقل کیا گیا ہے، یا مسلم بن قاسم قرطبی کی طرف جو یہ قول منسوب ہے **"لم يضع أحد مثل صحيح مسلم"**۔ (تدریب ۱/۹۵)

ان سب کا تعلق حسنِ ترتیب سے ہے؛ کیوں کہ امام مسلمؒ کی ترتیب بہ نسبت امام بخاریؒ کی ترتیب کے، زیادہ عمدہ ہے، وہ ایک مضمون کی تمام احادیث کو جملہ طرق کے ساتھ ایک ہی جگہ ذکر کردیتے ہیں۔غرضیکہ کسی سے صراحت کے ساتھ یہ منقول نہیں کہ وہ صحت کے اعتبار سے بخاری پر مسلم کی فضیلت کے قائل ہوں، اور بالفرض اگر ان

حضرات کا مقصد اصحیت کے اعتبار سے مسلم کی ترجیح ہو تو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے بہ قول خود شاہد وجود اور حقیقت حال سے ان کی تردید ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ صحت کا مدار تین امور پر ہے: (۱) اتصال سند (۲) ثقاہت رواۃ (۳) شذوذ و علت سے حفاظت۔ اور مذکورہ بالا تینوں امور کے لحاظ سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ (نزہۃ النظر ۷۱-۷۴)

جہاں تک اتصال سند کا تعلق ہے، تو اس اعتبار سے بخاری اس معنی کر راجح ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک صحت کے لیے محض معاصرت اور امکانِ ملاقات کافی نہیں ہے؛ بلکہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات - خواہ ایک بار سہی - کا ثبوت ضروری ہے؛ جبکہ امام مسلمؒ امکان ملاقات اور معاصرت کو کافی سمجھتے ہوئے غیر مدلس کے عنعنہ کو اتصال پر محمول کرتے ہیں، اگر چہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان حقیقتاً ملاقات ثابت نہ ہو۔

رواۃ کی ثقاہت اور ضبط و عدالت کے لحاظ سے بھی صحیح بخاری راجح ہے؛ چنانچہ بخاری کے متکلم فیہ رواۃ کی تعداد، صحیح مسلم کے متکلم فیہ رواۃ کی تعداد سے کافی کم ہے۔ تنہا بخاری کے رجال ۴۳۵ ہیں، جن میں متکلم فیہ رجال تقریباً اسّی ہیں۔ اور جن رواۃ سے تنہا امام مسلمؒ نے روایت لی ہے، ان کی تعداد چھ سو بیس (۶۲۰) ہے۔ جن میں متکلم فیہ رُواۃ کی تعداد ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہے۔ (فتح المغیث ۱/۶۳)

اسی طرح شروطِ ائمہ کے ذیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ امام بخاریؒ رواۃ کے طبقۂ اولیٰ سے روایت لیتے ہیں؛ جبکہ امام مسلمؒ بلا تکلف طبقۂ ثانیہ کی بھی روایت لیتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ثالثہ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

تیسری صفت یعنی شذوذ و علت سے محفوظ ہونے کے اعتبار سے بھی بخاری کو فوقیت حاصل ہے؛ کیوں کہ بخاری و مسلم کی جن احادیث پر تنقید کی گئی ہے وہ کل دو سو دس (۲۱۰) احادیث ہیں، جن میں سے صرف بخاری کی اسّی سے بھی کم ہیں۔

(تدریب الراوی ۱/۹۳)

اور بتیس (۳۲) احادیث میں بخاری و مسلم دونوں شریک ہیں۔ باقی جتنی احادیث ہیں وہ تنہا مسلم میں ہیں۔ (إمعان النظر: ۵۷)

خلاصہ یہ کہ جمہور علماء ومحدثین کے نزدیک اصحیت کے اعتبار سے پہلا مقام صحیح بخاری کا ہے، اس کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے؛ البتہ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابن ملقنؒ کے بہ قول بعض حضرات متاخرین دونوں میں برابری کے قائل ہیں۔ وہ ایک کی دوسرے پر فوقیت تسلیم نہیں کرتے، اس طرح صحیحین کے سلسلے میں یہ تیسرا قول قرار پائے گا۔

"قال ابن المقلن: رأيت بعض المتأخرين قال: إن الكتابين سواء، فهذا قول ثالث. وحكاه الطوفي في شرح الأربعين، ومال إليه القرطبي". (تدریب الراوی ۱/۹۶)

صحیح مسلم کے بعد مرتبہ ثالثہ میں سنن ابوداؤد ہے، چوتھا مرتبہ سنن نسائی کا ہے؛ لیکن علماء کی ایک جماعت نے ان شرائط کو دیکھتے ہوئے جن کا امام نسائی نے التزام کیا ہے۔ نسائی کو ابوداؤد پر فوقیت دی ہے۔ ان چاروں کے بعد جامع ترمذی کا نمبر ہے؛ اس لیے کہ اس کے اندر ضعیف احادیث بھی ہیں۔ بعض حضرات ترمذی کو مسلم کے بعد تیسرے نمبر پر رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ترمذی میں ضعیف احادیث ہیں؛ لیکن وہ احادیث کے ضعف پر تنبیہ بھی کردیتے ہیں، ان سب کے بعد ابن ماجہ ہے؛ کیوں کہ اس میں صحت کا وہ اہتمام نہیں جو ائمہ خمسہ کے یہاں ہے۔

صاحب العرف الشذی نقل فرماتے ہیں "صحاح ستہ کی مشہور ترتیب تو یوں ہے: بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف۔ عندالجمہور صحیحین کے بعد ابوداؤد کا درجہ ہے، لیکن صاحب النفح الشذی فی شرح جامع الترمذی ابن سید الناس کی رائے یہ ہے کہ مسلم اور ابوداؤد دونوں ایک درجے میں ہیں، اس لیے کہ مسلم شریف کے خطبہ میں ہے کہ تمام احادیث کے رواۃ کا مالک وسفیان اور شعبہ جیسا تام الضبط ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس سے کم درجہ کے رواۃ لیث بن ابی سلیم

وعطاء بن السائب اور یزید بن ابی زیاد وغیرہ کی روایات بھی اس کتاب میں آئیں گی۔

اور امام ابوداوٗدؒ نے جو خط اہل مکہ کے نام لکھا ہے اس میں یہ ہے کہ ”**وما کان في کتابي من وھن شدید فقد بینته،ومنه مالایصح سنده، ومالم أذکر فیه شیئًا فھو صالح**“.(**رسالة الإمام أبي داؤد ضمن ثلاث رسائل،ص:۲۷**) یعنی روایات ضعیفہ کے ضعف کو بیان کر کے میں بریٔ الذمہ ہو گیا ، بقیہ روایات صالح العمل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلم اور ابوداوٗد دونوں میں صحیح اور حسن روایات موجود ہیں اس لیے دونوں برابر ہیں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں ؛ لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے اور علامہ طاہر جزائری نے اس قول کی تردید کرتے ہوئے کئی جوابات دیے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابوداوٗدؒ کے خط میں یہ ہے کہ جس حدیث میں وہن شدید ہے میں نے اس کے ضعف کو بیان کر دیا ہے، معلوم ہوا کہ جس میں ضعف کم ہے اس کے ضعف کو بیان کرنے کا التزام نہیں کیا ، گویا ضعیف روایات پر بھی سکوت فرمایا؛ لہذا دونوں کتابوں میں بون بعید ہے، اس لیے صحیح یہی ہے کہ ابوداوٗد اور مسلم دونوں مساوی نہیں ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے بھی ابوداوٗد کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”**بین ماضعفه شدید، ووھنه غیر محتمل، وکاسر عماضعفه خفیف محتمل، فلایلزم من سکوته عن الحدیث أن یکون حسنا عنده**“. (سیر أعلام النبلاء ۱۳/ ۲۱۴)

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: **ومن ھنا یتبین أن جمیع ماسکت علیه أبوداؤد لایکون من قبیل الحسن الاصطلاحي،بل ھو علی أقسام**“. (النکت علی ابن الصلاح ۱/ ۴۳۵)

البتہ بعض حضرات نے ابوداوٗد کی جگہ نسائی یا ترمذی کو رکھا ہے گویا صحیحین کے بعد ثالث الستہ میں اختلاف ہے کہ ترمذی ہے یا ابوداوٗد یا نسائی ؟

علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے یہ ہے کہ نسائی شریف کا درجہ ابوداؤد سے بھی اونچا ہے گویا ثالث الستہ نسائی ہے اور دلیل پیش فرمائی کہ امام نسائی نے خود فرمایا: ''**ما أخرجت في الصغرى صحيح**'' اور امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنت کے بارے میں فرمایا ''**ما أخرجت في كتابي صالح للعمل**'' اور صالح عام ہے، صحیح و حسن دونوں کو شامل ہے، اس لیے نسائی ثالث ستہ ہے۔

اور نسائی شریف کا درجہ ترمذی سے اونچا ہے، یہی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا مہاجر مدنیؒ کی رائے ہے اور یہی قرین قیاس بھی ہے؛ اس لیے کہ ترمذی کی ایسی روایات متکلم فیہا جن پر ابن الجوزی نے نقد کیا ہے تیس ہیں اور نسائی میں صرف دس حدیثیں ایسی ہیں۔ گویا نسائی شریف ثالث الستہ ہے یہی اس کا صحیح درجہ اور رتبہ ہے۔

لیکن بعض مغاربہ نے اس میں غلو کرتے ہوئے کہا کہ نسائی شریف کا درجہ بخاری سے بھی اونچا ہے اس لیے کہ حافظ ابوالفضل عراقیؒ نے لکھا ہے کہ جب امام نسائیؒ نے سنن کبریٰ تصنیف کیا تو امیر رملہ نے کہا ''**أكلّه صحيح؟ فقال: لا فقال الأمير: ميّز لي الصحيح من غيره فصنّف له الصغرى.**''

الغرض ایک قول کے مطابق ثالث ستہ نسائی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ثالث ستہ ابوداؤد ہے یہ قول علامہ حازمیؒ اور ذہبیؒ کا ہے؛ ترمذی کا درجہ اس کے بعد ہے، اس لیے کہ ابوداؤدؒ طبقۂ رابعہ کے رواۃ کی روایات اصالۃً لاتے ہیں اور ترمذیؒ طبقۂ خامسہ کے رواۃ کی روایات اصالۃً لاتے ہیں۔

نیز ترمذی میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں اور بعض حدیثیں تو اتنی ضعیف ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کو موضوع کہہ دیا ہے، حافظ سراج الدین قزوینی حنفیؒ نے کہا کہ ترمذی میں تین حدیثیں موضوع ہیں، اگرچہ محدثین نے موضوع ہونے کو تسلیم نہیں کیا ہے، تحقیق یہ ہے کہ وہ حدیثیں موضوع نہیں ہیں، البتہ انتہائی ضعیف ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ثالث ستہ ترمذی ہے۔ دکتور محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کا رجحان

اسی کی طرف ہے ؛اس لیے کہ اگر چہ ترمذی میں ضعیف روایات ہیں؛ لیکن جب امام ترمذیؒ نے ضعف پر متنبہ کر دیا تو وہ بریٔ الذمہ ہو گئے۔

رہا یہ کہ ترمذیؒ نے ''مصلوب'' اور ''کلبی'' جیسے روات کی حدیثیں ذکر کی جو طبقۂ رابعہ کے راوی ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''المصلوب'' اور ''کلبی'' جیسے طبقۂ رابعہ کے رواۃ کی روایات تو ابوداوٴدؒ نے بھی ذکر کی ہے، پھر ابوداوٴدؒ تو راویٔ حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ بھی نہیں فرماتے جیسے اسحاق بن مروہ وغیرہ،تو جب دونوں طبقۂ رابعہ کے رواۃ کی روایات لانے میں شریک ہیں تو کسی اور اعتبار سے فرق تلاش کرنا پڑے گا، چنانچہ تلاش وتتبع کے بعد یہ فرق معلوم ہوا کہ ترمذیؒ ضعفاء کے ضعف پر تنبیہ کرتے ہیں جبکہ ابو داوٴد بسا اوقات سکوت اختیار فرماتے ہیں؛ لہذا ترمذی ثالث ستہ ہے، یہی رجحان صاحب ''کشف الظنون'' کا بھی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''**الجامع الصحيح للحافظ أبي عيسى بن محمد بن عيسى الترمذي المتوفى ۲۷۹ھـ، وهو ثالث الكتب الستة في الحديث**''. (کشف الظنون ۱/۵۴۵)

لیکن ان حضرات نے ترمذی وابوداوٴد کی روایت وشرائط پر غور نہیں کیا، ورنہ یہ فیصلہ نہیں کرتے ،بعض انتہائی ضعیف حدیث کو بھی ترمذیؒ نے حسن کہا ہے اور ضعیف ہونے کی جانب اشارہ بھی نہیں کیا جیسے تکبیرات عیدین کے سلسلے میں کثیر بن عبداللہ کی روایت۔

الغرض امام ترمذی اپنی امامت اور جلالت شان کے باوجود احادیث کی تصحیح وتحسین میں متساہل ہیں، **قال الذهبي في ميزان الاعتدال في ترجمة يحي بن يمان بعد ذكر حديث ابن عباس :إن النبي صلى الله عليه وسلم دخل قبراً ليلا فأسرج له سراجًا، حسنه الترمذي مع ضعف ثلثة فيه فلايعتبر بتحسين الترمذي انتهى.** (ميزان الاعتدال ۷/ ۲۳۱)

اگر چہ ذہبی کے اس قول کی تردید کی گئی ہے، ڈاکٹر نورالدین عتر نے ذہبیؒ کے اس

طعن کا اجمالی اور تفصیلی جواب تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کبار ائمہ ترمذی کے حکم علی الحدیث کو قابل استدلال گردانتے ہیں، اور خود امام ترمذیؒ نے وضاحت کی ہے کہ انھوں نے کتاب میں مذکور اکثر علل احادیث اور رجال وتاریخ کے سلسلے میں اپنے استاذ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے مذاکرہ کیا ہوا ہے، اور معتمد اہل علم حافظ عراقیؒ وغیرہ نے ذہبی کے اس قول کو رد کر دیا ہے، اس لیے ترمذی پر ان کا متساہل ہونے کا الزام حقیقت سے بعید ہے۔" (تفصیل کے لیے دیکھیے: الإمام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين: ۳۳۵..۳۴۰)

خلاصہ یہ کہ ثالث ستہ ابوداؤد ہے، اور ابن ماجہ تقریباً بیس احادیث ضعیفہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے چھٹے نمبر پر ہے۔

گویا اول ستہ کا جہاں تک تعلق ہے تو تین قول ہیں (۱) بعض مغاربہ کے نزدیک نسائی شریف ہے لیکن یہ قول مردود ہے (۲) موطأ نزد شاہ ولی اللہ (۳) صحیح بخاری، یہی قول مشہور اور جمہور کا ہے۔

اور ثانی ستہ تو اس میں بھی دو قول ہیں (۱) مسلم اور ابوداؤد دونوں مساوی ہیں، ابن سید الناسؒ کا یہ قول مردود ہے (۲) صرف مسلم، یہی صحیح اور مشہور قول ہے۔

اور ثالث ستہ میں تین قول ہیں (۱) نسائی شریف، علامہ کشمیریؒ کی رائے یہی ہے (۲) ترمذی شریف، صاحب کشف الظنون اور دکتور محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ صاحب کشف النقاب کا یہی رجحان ہے (۳) ابوداؤد، حازمیؒ اور ذہبیؒ بلکہ جمہور کا یہی رجحان ہے اور یہی صحیح ہے، **وبذلك جزم صاحب مفتاح السعادة وصاحب نيل الأماني وهو المختار عند الشيخ زكريا.**

فائدہ: صاحب اوجز المسالک کے نزدیک طحاوی بھی ابوداؤد ہی کے درجے میں ہے، ابن حزم ظاہری جیسے متشدد نے بھی طحاوی کو ابوداؤد کے درجے میں رکھا ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک طحاوی، ابوداؤد کے قریب ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: كشف النقاب عما يقوله الترمذي وفي الباب اور مقدمہ فتح الملهم)

فائدہ:ابو داؤد ،ترمذی اور نسائی کی باہمی ترتیب میں کل تین قول ہیں (۱) سنن النسائی ثم سنن ابوداؤد ثم جامع الترمذی ،علامہ کشمیریؒ کا فیض الباری کے مقدمے میں یہی رجحان بیان کیا گیا ہے۔

(۲) سنن ابوداؤد ثم سنن النسائی ثم جامع الترمذی ،حضرت شیخ زکریاؒ صاحب اوجز المسالک کا یہی رجحان ہے۔

(۳) سنن ابی داؤد ثم جامع الترمذی ثم سنن النسائی ،صاحب مفتاح السعادۃ، صاحب نیل الامانی کا یہی قول ہے اور شاہ عبدالعزیز دھلویؒ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ بستان المحدثین اور عجالۂ نافعہ میں ان تین کتابوں کو اسی ترتیب پر ذکر کیا ہے، اور ان سے پہلے ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی **"الإرشاد إلی مهمات الإسناد"** میں اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے اور متقدمین میں امام نوویؒ کی "التقریب" میں یہی ترتیب مذکور ہے۔



صحاح ستہ کی خصوصیات

درجنوں کتب ودواوین حدیث میں سے ان چھ کتابوں کا انتخاب ان میں موجود ان بعض مشترکہ خصوصیات کی وجہ سے بھی ہے جن سے دوسری کتب خالی ہیں۔ان میں سے چند کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جارہا ہے:

(۱) انتخاب وانتقاء: ان کتابوں میں محض نقل روایت وجمع حدیث پیش نظر نہیں ہے بلکہ ان میں چھان پھٹک کے بعد منتخب احادیث کو ہی جگہ دی گئی ہے، جیسا کہ ان کتب کے مؤلفین ودیگر ائمہ حدیث کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حسن ترتیب وتبویب: کتب ستہ میں مسانید کی ترتیب نہیں ہے؛ بلکہ باب قائم کر کے اس کے تحت احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔حافظ ابن اثیرؒ نے اس کو بہ دو وجہ حصول مقصد کے لیے زیادہ آسان قرار دیا ہے:

(أ) انسان کو کبھی حدیث کا مفہوم معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ حدیث تلاش کرتا ہے لیکن اس کا راوی یا یہ کہ کس کی مسند ہے معلوم نہیں ہوتا ہے، تو وہ مثلا صلاۃ سے متعلق روایت کتاب الصلاۃ میں تلاش کرے گا، اگرچہ اسے پتہ نہ ہو کہ اس کے راوی مثلاً ابوبکرؓ ہیں۔

(ب) اگر کوئی حدیث خاص باب مثلا کتاب الصلاۃ کے تحت آتی ہے تو اس میں دیکھنے والا سمجھ جاتا ہے کہ یہی حدیث نماز کے اس حکم کی دلیل ہے، اس لیے اس سے استنباط حکم کے لیے بہت زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں پیش آتی ہے۔ (جامع الاصول ۱/۴۵)

(۳) جامعیت: یعنی ان کتابون میں عقیدہ وفقہ سے متعلق جملہ ابواب ہیں اوران

کے تحت احادیث مذکور ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موطأ کو صحت کے باوجود سنن ابن ماجہ کی وجہ سے اس فہرست سے باہر رکھا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے موطأ کی جگہ پر سنن ابن ماجہ کو سادس ستہ قرار دینے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **وهو كتاب قوي التبويب في الفقه**". (اختصار علوم الحديث ص : ۲۴۱)

(۴) ان احادیث کو جامع ہے جنھیں علماء نے لیا ہے اور جن سے فقہا نے استدلال کیا ہے۔

(۵) ان کتابوں کے مصنفین مشہور محدثین اور خطأ وصواب سے خوب واقفیت رکھنے والے ہیں۔

(٦) صحاح ستہ کی تالیف خصوصیت کے ساتھ احادیث مرفوعہ کے لیے ہے، جب کہ اس سے پہلے کے جو جوامع، مسانید اور مصنفات ہیں، ان میں اخبار وقصص اور مواعظ وادب سب کو جگہ مل جاتی تھی۔ (دیکھیے: معالم السنن ۱/۷)

(۷) اختصار وتہذیب: اس کی وضاحت ان کتابوں کے اصل ناموں سے بھی ہوتی ہے، جن میں مختصر یا اس کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں۔ (ہر کتاب کا اصل نام ان کے انفرادی تعارف میں دیکھیے!)

(۸) ان کتابوں میں صحت حدیث کے سلسلے میں محدثین اور اہل علم کے عام مسلک اور ضابطے سے خروج نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ ان کتب کے مصنفین اور ابن خزیمہ وابن حبان کی آراء کے درمیان مقارنے سے معلوم ہو جاتا ہے،

(۹) زمانی تقدم: ان مصنفین کا تعلق روایت حدیث کے سنہرے دور سے ہے، جیسا کہ ان کی تواریخ وفات سے واضح ہے۔

امام بخاریؒ	م ۲۵٦ھ
امام مسلمؒ	م ۲٦۱ھ

امام ابن ماجہؒ	م ۲۷۳ھ
امام ابوداودؒ	م ۲۷۵ھ
امام ترمذیؒ	م ۲۷۹ھ
امام نسائیؒ	م ۳۰۳ھ

اور یہ معلوم ہے کہ جن رواۃ پر سند اور روایت کا مدار ہے، ان میں تقدم وتأخر کے درمیان حد فاصل ۳۰۰ھ کے آس پاس ہی ہے، اسی لیے میزان الاعتدال میں علامہ ذہبیؒ نے ۳۰۰ھ کے آغاز تک کے ہی رواۃ لیے ہیں۔ (دیکھیے: میزان ۱/۴)

(۱۰) کتب ستہ کے مصنفین نے انھی احادیث کو لیا ہے جو معمول بہا ہیں اور غرائب وافراد سے تعرض نہیں کیا ہے۔ (ملخص از ''الکتب الستۃ مصطلحا ومزایا'')



مذاہب ائمۂ ستہ

امام بخاریؒ کا مذہب فقہی:

امام بخاریؒ کے مسلک کے سلسلے میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) اکثر حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاریؒ مجتہد مطلق ہیں۔ امام بخاریؒ کے قائم کردہ تراجم وابواب سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ کسی خاص فقہی مسلک کے پابند نہیں تھے۔

(۲) تاج الدین سبکیؒ نے ''الطبقات الشافعیہ'' میں، نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے ''ابجد العلوم'' (۳/ ۱۲۷) میں اور کئی شافعی محدثین نے امام بخاریؒ کو مسلکاً شافعی قرار دیا ہے۔

لیکن اس رائے پر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے سخت نقد کیا ہے۔ (دیکھیے فیض الباری ۱/ ۵۳، معارف السنن ۱/ ۲۱)

(۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری مجتہد منتسب الی الامام الشافعی ہیں، یعنی وہ امام شافعیؒ کے مقلد نہیں؛ بلکہ مجتہد ہیں؛ البتہ ان کا اجتہاد امام شافعیؒ کے اجتہاد کے موافق ہوا کرتا ہے۔ (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص: ۸۶)

(۴) علامہ قسطلانیؒ کے بہ قول امام بخاریؒ ظاہرِ حدیث کے مقلد ہیں۔

(۵) حافظ ابن قیم اور ابن ابی یعلیٰ کی رائے میں امام بخاری حنبلی ہیں۔ (الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن ۱۲۶)

امام مسلمؒ کا مذہب فقہی

امام مسلمؒ کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں:

ایک جماعت کا خیال ہے کہ امام مسلمؒ شافعی ہیں۔ (دیکھیے: کشف الظنون، ۱/ ۵۵۵)

حافظ ابن قیم اور ابن ابی یعلی حنبلی کے بہ قول امام مسلم حنبلی ہیں۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے بعض شواہد کی روشنی میں امام مسلم کو مالکی مانا ہے۔ (الامام ابن ماجہ: ۱۲۴)

علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "**وأما مسلم فلا أعلم مذهبه بالتحقيق**". (العرف الشذی ۱/ ۳۳، بیروت) ''یقینی طور پر مجھے امام مسلم کے مسلک کا علم نہیں۔''

اس کی وجہ بہ ظاہر یہی ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ابواب قائم نہیں کیے، جس سے کہ ان کے رجحانات کا پتہ چلتا۔

امام ابوداؤدؒ کا مذہب فقہی

علامہ ابن تیمیہ نے ابوداؤد کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: ۲۰/ ۴۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے میں ابوداؤد، مجتہد منتسب الی اُحمد واسحاق بن راہویہ ہیں، اور تاج الدین سبکیؒ کے مطابق وہ شافعی المسلک ہیں؛ لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد حنبلی ہیں۔ علامہ کشمیریؒ اور شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ کی بھی یہی رائے ہے؛ چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں:

والذي تحقق لي أن أبا داؤد حنبلي بلاريب، لا ينكر ذٰلک من أمعن النظر في سننه. (مقدمہ لامع الدراری ۱/ ۹۱)

''میری تحقیق کے مطابق امام ابوداؤد بلاشبہ حنبلی ہیں اور جو بھی ان کی سنن پر گہری نگاہ ڈالے گا وہ اس کا انکار نہ کرسکے گا۔''

امام ترمذیؒ کا مذہب فقہی

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بہ قول، امام ترمذی مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں۔

(۲) علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے واضح طور پر انھیں شافعی قرار دیا ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”**وأما الترمذي فهو شافعي المذهب لم يخالفه صراحةً إلا في مسئلة الإبراد**“. (فیض الباری ۱/۵۳) ”امام ترمذی، مسلکاً شافعی ہیں۔ انھوں نے صرف ابراد بالظہر کے مسئلے میں امام شافعیؒ کی صراحتاً مخالفت کی ہے۔“

امام نسائیؒ کا مذہب فقہی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کو شافعی قرار دیا ہے۔
(بستان المحدثین اردو، ص ۱۸۹)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی بھی اسی کے قائل ہیں۔ (الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص ۲۵۴)

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: اگرچہ مشہور یہ ہے کہ وہ شافعی ہیں؛ لیکن حق بات یہ ہے کہ وہ حنبلی ہیں۔ ”**وأما أبوداؤد والنسائي فالمشهور أنهما شافعيان ولكن الحق أنهما حنبليان**“. (العرف الشذی ۱/۳۳)

امام ابن ماجہؒ کا مذہب فقہی

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بہ قول ابن ماجہ مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں۔
(الانصاف ص ۸۶)

(۲) علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ”**وأما ابن ماجة فلعله شافعي**“.
(العرف الشذی ۱/۳۳)

اختلافِ اقوال کا سبب

اربابِ صحاح کے فقہی مسالک میں اختلافِ اقوال کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اپنی تحریروں میں کہیں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ کسی امام کے مقلد ہیں یا مجتہد مطلق؛ البتہ ذکر

مسائل اور استنباطِ احکام میں ان حضرات کے رجحانات اور قائم کردہ ابواب کو دیکھ کر مختلف حضرات نے مختلف آراء قائم کی ہیں۔ اور چوں کہ ارباب صحاح امت کی انتہائی مقتدر اور اصحابِ فضل وکمال شخصیات ہیں؛ اس لیے مختلف مسالک کے متبعین نے انھیں اپنے مسلک کا حامی بتانے کی کوشش کی اور ایک ایک شخصیت کا بیک وقت کئی ائمہ کی طرف انتساب نقل کر دیا گیا؛ چنانچہ تاج سبکیؒ نے امام بخاریؒ کو ''طبقات الشافعیہ'' میں شافعی قرار دیا۔ ابوداؤد اور نسائی کے سلسلے میں بھی یہی موقف اختیار کرتے ہوئے انھیں بھی شوافع کی فہرست میں شامل کرلیا؛ جب کہ حافظ ابن قیم نے ''اعلام الموقعین'' میں بخاری، مسلم اور ابوداؤد کو حنبلی قرار دیا ہے۔ ابن ابی یعلیؒ نے بھی ان تینوں حضرات کو ''طبقات الحنابلہ'' میں اہمیت کے ساتھ جگہ دی ہے۔ اس طرح ہمیں ان حضرات کے سلسلے میں عجیب کشاکشی نظر آتی ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وهذا كله عندي تخرّص وتكلم من غير برهان، فلو كان أحد من هٰؤلاء شافعيا أو حنبليا لأطبق العلماء علىٰ نقله، ولَمَا اختلفوا هذا الاختلاف، كما قد أطبقوا على كون الطحاوي حنفيًّا، والبيهقي شافعيًّا، وعياضٍ مالكيًّا، وابن الجوزي حنبلياً، سوى الإمام أبي داود فإنه قد تفقه على الإمام أحمد، ومسائله عن أحمد بن حنبل معروفة مطبوعة، وذكره الشيرازي في ''طبقات الفقهاء'' من أصحابه، ولو كان في الأئمة الستة المذكورين أحدٌ شافعيًا لَصاحَ به الحافظان: الذهبي وابن حجر''.

(الإمام ابن ماجه وكتابه السنن ص:۱۲۶)

''میرے نزدیک یہ سب محض اٹکل اور بے دلیل باتیں ہیں، اگر ان ارباب صحاح میں ایک بھی شافعی یا حنبلی ہوتے، تو علماء اس کی نقل پر متفق ہوتے اور اس طرح کا اختلاف بالکل نہیں ہوتا؛ چنانچہ علماء طحاوی کے حنفی، بیہقی کے شافعی، عیاض کے مالکی اور

ابن الجوزی کے حنبلی ہونے پر متفق ہیں؛ البتہ امام ابوداوٗد کا معاملہ قدرے مختلف ہے، جنھوں نے امام احمدؒ سے فقہ حاصل کی اور امام احمد سے ابوداوٗد نے جو مسائل نقل کیے ہیں، وہ مشہور اور مطبوع ہیں۔ شیرازیؒ نے بھی اپنے اصحاب کے ''طبقاتِ فقہاء'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر ان مذکورہ ائمہ ستہ میں ایک بھی شافعی ہوتے تو حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر، اس کا خوب زور وشور سے تذکرہ ضرور کرتے۔''



صحاح ستہ کی احادیث کی تعداد

تعداد احادیث کے سلسلے میں غلط فہمی کا ازالہ

کبھی ذہن میں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حدیث کی جو معتبر کتابیں دستیاب ہیں، ان میں صرف چند ہزار احادیث موجود ہیں، جیسا کہ ذیل میں درج کتب ستہ کی احادیث کی مجموعی تعداد سے بھی واضح ہو رہا ہے؛ تو محدثین کے اس قول کا کیا مطلب کہ ہم نے لاکھوں احادیث سے اپنی کتاب کا انتخاب کیا ہے؟ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں: ''الجامع الصحیح'' کی موجودہ احادیث چھ لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں: میں نے تین لاکھ حدیثوں سے صحیح مسلم کی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں: میں نے رسول اکرم ﷺ کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، ان کا انتخاب سنن ابوداؤ میں ہے۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند کو سات لاکھ پچاس ہزار حدیثوں سے منتخب قرار دیا ہے۔

منکرین حدیث بھی ان اقوال کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب ان محدثین کی کتابوں میں بھی صرف چند ہزار احادیث ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی حدیث کا بڑا حصہ نا قابل اعتبار ہے؛ اس لیے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محدثین کی اصطلاح میں صرف رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کو ہی حدیث نہیں کہا جاتا، بلکہ آپ ﷺ کے افعال، احوال اور تقریرات پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے، اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال، ان کے فتاوی، عدالتی فیصلے اور آیات قرآنیہ کی

تفسیر کو بھی حدیث میں شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ طاہر جزائریؒ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے:

"إن كثيرا من المتقدمين كانوا يطلقون اسم الحديث على ما يشمل آثار الصحابة والتابعين وتابعيهم وفتاواهم". (توجيه النظر إلى أصول الأثر ۱/۲۳۰)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس تعداد سے مراد احادیث کے طرق اور اسانید ہیں، صرف متون نہیں کہ اشکال ہو، مطلب یہ کہ جو حدیثیں مختلف طرق سے منقول ہیں، تو اس کی ہر اک سند پر حدیث کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، مثلاً ایک حدیث **"إنما الأعمال بالنيات"** کو حافظ ابو اسماعیل انصاریؒ نے یحیی بن سعیدؒ کے شاگردوں سے سات سو طرق سے لکھا ہے، تو محدثین کی اصطلاح میں اس کو سات سو احادیث شمار کیا جائے گا۔ اور طرق و اسانید کی اس تعداد میں کوئی مبالغہ نہیں ہے، بلکہ بعد کے ادوار میں اس میں مزید اضافہ ہی ہوتا گیا، کیوں کہ تابعین کے زمانے میں اگر طرق و اسانید کی تعداد صرف پچاس ہزار مانی جائے تو اتباع تابعین کے دور میں یہی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے، کیوں کہ ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا تو اب وہ محدثین کی اصطلاح میں دس اسانید اور طرق ہو گئے۔

لہٰذا اس سے واضح ہو گیا کہ چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے صحیح بخاری کو امام بخاریؒ کے مرتب کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ چھ لاکھ متن ہیں، بلکہ اس سے مختلف طرق اور سندوں کی طرف اشارہ ہے۔

ويعدون الحديث المروي بإسنادين حديثين، وحينئذ يسهل الخطب وكم من حديث ورد من مئة طريق فأكثر، وهذا حديث "إنما الأعمال بالنيات" نقل مع ما فيه عن الحافظ أبي إسماعيل الأنصاري الهروي أنه كتبه من جهة سبع مئة من أصحاب يحيى بن سعيد. (توجيه

النظر إلى أصول الأثر ۱/۲۳۰)

کل احادیث کی مجموعی تعداد

محققین کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی مسند اور صحیح بلا تکرار احادیث کی تعداد صرف چار ہزار چار سو ہے۔

ذكرها الحافظ ابن حجر عن أبي حجر محمد ابن الحسين البغدادي أنه قال في " كتاب التمييز " له عن النووي وشعبة ويحيى بن سعيد القطان وابن مهدي و أحمد بن حنبل: إن جملة الأحاديث المسندة عن النبي صلى الله عليه وسلم: يعني الصحيحة بلا تكرار أربعة و أربع مائة حديث . (توجيه النظر إلى أصول الأثر ۱/۲۳۰)

عن أبي داود قال: نظرت في الحديث المسند فإذا هو أربعة آلاف حديث. (جامع العلوم والحكم ج ۱/۲۲)

کتب ستہ کی احادیث کی تعداد

کتب ستہ کی احادیث کی تعداد مختلف حضرات نے مختلف جہتوں کا ذکر کر کے الگ الگ ذکر کی ہے، لیکن ہم ذیل کے نقشے میں صرف دو طرح کی ترقیم کا اعتبار کرتے ہوئے تعداد ذکر کر رہے ہیں، پہلے نقشے میں دار السلام ریاض کی طرف سے شائع ''الکتب الستۃ'' میں درج تعداد کا اعتبار کیا گیا ہے، اس نسخے میں صحیحین اور ترمذی میں فؤاد عبد الباقی کی ترقیم کا لحاظ کیا گیا ہے، جب کہ باقی تین کتابوں میں تیونس کے دار سحنون کی طرف سے شائع ''موسوعۃ کتب الحدیث'' سے نمبرنگ کی گئی ہے۔ دوسرا نقشہ عالمی ترقیم کے اعتبار سے ہے:

الکتب الستہ کی ترقیم

صحیح البخاری: ۷۵۶۳

صحیح مسلم:	۷۵۶۲
سنن نسائی:	۵۷۶۱
سنن ابی داؤد:	۵۲۷۴
سنن ترمذی:	۳۹۵۶
سنن ابن ماجہ:	۴۳۴۱

عالمی ترقیم

کتاب	تکرار کے ساتھ	تکرار کے بغیر
بخاری:	۷۰۰۸	۲۳۶۲
مسلم:	۵۳۶۲	۲۸۴۶
ترمذی:	۳۸۹۱	۳۳۶۷
نسائی:	۵۶۶۲	۲۵۱۵
ابوداؤد:	۴۵۹۰	۳۷۸۴
ابن ماجہ:	۴۳۳۲	۳۹۷۸

كتاب	عدد ماانفرد به	المرفوع	الآثار
بخاري	۳۰۴	۱۱۸	۱۸۶
مسلم	۸۵	۷۶	۹
ترمذي	۵۷۷	۵۲۰	۵۷
نساءي	۵۲۵	۳۹۴	۱۳۱
أبو داؤد	٦۸۲	۵۲۷	۱۵۵
ابن ماجه	۸۹۷	۸۷۰	۲۷

☆ ☆ ☆

صحاحِ ستہ کے تراجم وعناوین

تراجم، ترجمہ کی جمع ہے، جس کا معنی ہے: مراد واضح کرنا۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا۔ کتبِ حدیث میں ترجمہ بولا جائے تو اس سے ''عنوان'' مراد ہوتا ہے۔ اس کو ترجمہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے مابعد آنے والے مضامین کی وضاحت کرتا ہے۔

علماء نے تراجم کے اعتبار سے بھی صحاح ستہ میں درجات قائم کیے ہیں کہ کس کتاب کے تراجم سب سے زیادہ دقیق ومشکل اور کس کے آسان ہیں؛ چنانچہ سب سے دقیق تراجم امام بخاریؒ کے قائم کردہ ہیں۔ دوسرے نمبر پر سنن نسائی، تیسرے نمبر پر سنن ابی داؤد اور چوتھے نمبر پر سنن ابن ماجہ کے تراجم ہیں، اور اخیر میں جامع ترمذی کے تراجم ہیں، اسی وجہ سے ترمذی کے تراجم کو اسہل التراجم کہا گیا ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''البخاري هو سباق الغايات في وضع التراجم بحيث ربما تنقطع دون فهمها مطامع الأفكار، ثم يتلوه في التراجم أبو عبد الرحمٰن النسائي، وربما أرىٰ في مواضع أن تراجمه تتوافق كلمة كلمة، وأظن أن النسائي تلقاها من شيخه البخاري، حيث أن التوارد يستبعد في مثال هٰذا، ولا سيما أن كان البخاري من شيوخه، ثم يتلوه تراجم أبي داؤد، وتراجم أبي داؤد أعلىٰ من تراجم الترمذي، نعم: إن أسهل التراجم وأقربها إلى الفهم تراجم الترمذي، وأما الإمام مسلم فلم يضع هو نفسه التراجم، والتراجم الموجودة في كتابه من وضع شارحه الإمام النووي،

وكم بين تراجمه وبين تراجم البخاري من فرق بعيد". (معارف السنن ۱/۲۳)

ترجمہ: امام بخاریؒ تراجم قائم کرنے میں اس طرح انتہا تک سبقت کرنے والے ہیں کہ بسا اوقات ان کے فہم تک افکار وخیالات کی رسائی نہیں ہو پاتی ہے۔ تراجم قائم کرنے میں بخاری کے بعد دوسرا درجہ ابوعبدالرحمٰن نسائی کا ہے۔ بہت سے مقامات پر میں دیکھتا ہوں کہ نسائی کے تراجم، حرفاً حرفاً بخاری کے تراجم کے موافق ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اسے امام نسائیؒ نے اپنے شیخ امام بخاری سے (بہ راہ راست) اخذ کیا ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی چیزوں میں توارد قلوب مستبعد ہے، خاص کر اس وقت جب کہ بخاری کا شیخِ نسائی ہونا متحقق ہے۔ اس کے بعد ابوداؤد کے تراجم کا درجہ ہے۔ اور ابوداؤد کے تراجم کا مقام ومرتبہ ترمذی کے تراجم سے بڑھا ہوا ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والے، ترمذی کے تراجم ہیں؛ جہاں تک تعلق ہے امام مسلم کا، تو انھوں نے تراجم خود قائم نہیں کیے ہیں۔ ان کی کتاب میں موجود تراجم شارح مسلم امام نوویؒ کے قائم کردہ ہیں اور نووی و بخاری کے تراجم میں بہت واضح فرق ہے۔

خلاصہ یہ کہ بخاری ونسائی کے تراجم سب سے زیادہ دقیق اور مشکل ہیں، ابوداؤد وابن ماجہ کے تراجم متوسط حیثیت کے حامل ہیں۔ اور ترمذی شریف اسہل التراجم ہے۔

رہی بات مسلم شریف کی تو اس میں خود مصنف نے تراجم قائم نہیں فرمائے ہیں۔ اس لیے یہ تراجم اور عناوین مسلم شریف کے حاشیے پر درج ہیں۔ اگرچہ امام مسلم نے اپنی کتاب کو حسنِ ترتیب کے ساتھ ابواب کا لحاظ کرتے ہوئے مرتب فرمایا ہے۔ جس سے عنوان قائم کرنا آسان ہو گیا ہے۔

ہمارے دیار میں مسلم شریف کا جو نسخہ رائج ہے، اس پر مشہور محدث وشارح مسلم امام نوویؒ کے قائم کردہ تراجم ہیں؛ لیکن شافعی المسلک ہونے کی وجہ سے بعض مواقع پر وضع تراجم میں مسلکی رجحان کا اثر بھی کارفرما نظر آتا ہے؛ لہٰذا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم شریف کی مبسوط اور عالمانہ شرح فتح الملہم لکھنی شروع کی تو انھوں نے

ازسرنوتراجم قائم کیے جانے کی ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

والإنصاف أنه لم يترجم إلى اليوم بمايليق بشأن هذاالمصنَف الجليل،ولعل الله يوفق عبدا من عباده لما يؤدي حقه، وبيده التوفيق. (فتح الملهم ۱/۱۰۰)

ایک عرب عالم فرماتے ہیں:

وقد كانت للديوبندي جهود مشكورة في تراجم هذا الصحيح، فقد أجاد فيها وزاد على النووي زيادات حسنة، وأبقى على البعض؛ إلا أن المنية اخترمته قبل تمام الكتاب، ولعله رجاء أن يكون ذلک العبد الذي تحدث عنه في عبارته السابقة. (الإمام مسلم بن الحجاج ومنهجه في الصحيح ۱/۳۸۷ دار الصميعي)

درج بالا عبارت سے واضح ہورہا ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے خود بھی تراجم قائم کیے ہیں، لیکن تلاش کے باوجود ہمیں یہ تراجم نہیں مل سکے، فتح الملہم میں تو بعینہ نوویؒ کے تراجم ہیں۔ استاذ گرامی حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے بھی علامہ کے قائم کردہ عناوین سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ (صحیح مسلم کے تراجم کے سلسلے میں کسی قدر مزید تفصیل آئندہ صفحات میں ''صحیح مسلم'' کے انفرادی تعارف میں ملاحظہ فرمائیں)



صحاحِ ستہ کے مجموعے

اصول ستہ کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر بعض مطابع نے ایک ساتھ چھ کی چھ کتابوں کے مجموعے شائع کرنے میں دلچسپی دکھائی ہے۔ اس وقت اس طرح کے دو مجموعے معروف ومتداول ہیں:

۱- ''الکتب الستة'' کے نام سے دارالسلام ریاض نے ایک ہی جلد میں انتہائی اعلیٰ اور معیاری کاغذ پر اٹلی سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ مملکت سعودی عرب کے وزیرشؤون اسلامیہ شیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ کی زیرنگرانی اس مجموعے میں صحت اورترقیم کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ کلاں سائز کے ۲۷۵۴ صفحات میں مکمل چھ کی چھ کتابوں کو واضح خط کے ساتھ سمودیا گیاہے۔ اس مجموعے کی مدد سے بیک وقت صحاح ستہ سے استفادے میں کافی آسانی ہوگئی ہے۔

قابلِ ذکر ہے کہ چند ماہ قبل فروری ۲۰۱۴ء میں جب وزیر موصوف نے ایک بڑے وفد کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند کا دورہ کیا، تو اپنے اعزاز میں منعقد استقبالیہ تقریب میں انھوں نے بڑے اہتمام سے اپنی زیرنگرانی تیار کتب ستہ کا یہی مجموعہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کی خدمت عالی میں پیش کیا تھا۔

۲- ''الکتب الستة'' دوجلدوں میں یہ بھی صحاح ستہ کا قابلِ قدر مجموعہ ہے، جس کے صفحات کی مجموعی تعداد ۴۱۵۴ ہے۔ پہلی جلد میں کتبِ اربعہ ہیں جب کہ دوسری جلد میں نسائی، ابن ماجہ اور فہارس ہیں۔ خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ شیخ رائد بن صبری بن ابی علفہ کے اعتناء سے مکتبہ الرشد نے اس کو شائع کیا ہے۔

صحاح ستہ کی علمی خدمت

صحاح ستہ کو امت میں جو وقار واعتبار حاصل ہوا، اس کے سبب ہر زمانے میں اہل علم کی ایک جماعت نے مختلف پہلوؤں سے ان کی خدمت کی ہے۔ الگ الگ ان کتابوں کی خدمت کا اجمالی نقشہ آگے آئے گا۔ اس وقت ہم صرف ان چند مؤلفات کا تذکرہ کریں گے جو خصوصیت کے ساتھ کتب ستہ کے اردگرد گھومتی ہیں اور ایسی کئی کتابیں ہیں، ہم سرِدست صرف پانچ کا ان کی متنوع خصوصیات کے سبب تذکرہ کررہے ہیں۔

۱- **"الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة"**: حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ) کی مشہور تالیف ہے، جس میں انھوں نے جامعیت اور اختصار کے ساتھ کتب ستہ کے رجال پر کلام کیا ہے۔ اس پر ابراہیم بن محمد سبط العجمی (م ۸۴۱ھ) کا محققانہ حاشیہ بھی ہے۔ شیخ محمد عوامہ اور احمد محمد نمر الخطیب کی تصحیح ومراجعت سے یہ کتاب مؤسسۃ علوم القرآن جدہ سے شائع ہوچکی ہے۔

۲- **"الأنوار اللمعة في الجمع بين مفردات الصحاح الستة"** یہ حافظ حدیث ابن الصلاح ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الموصلی الشہرزوری (م: ۶۴۳ھ) کی مایہ ناز تصنیف ہے، جس میں انھوں نے کتب ستہ کے علاوہ سنن دارمی کی مفرد روایات کو جمع کردیا ہے۔ مصنف نے سب سے پہلے صرف صحیح مسلم کی احادیث کے متون کو اسانید وتکرار کے حذف کے ساتھ جمع کیا تھا۔ اس کے بعد ان روایات کو جمع کیا جن میں امام بخاریؒ امام مسلمؒ سے منفرد ہیں۔ اسی طرح باقی کتابوں کی صرف وہ روایات لی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ یہ عظیم مجموعہ سید کسروی حسن کی تحقیق سے مکتبہ عباس احمد الباز مكة المكرّمة نے چار جلدوں میں شائع کردیا ہے۔

۳- **"الحطة في ذكر الصحاح الستة"**: اس کتاب میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی (م ۱۳۰۷ھ) نے کتب ستہ کے انفرادی تعارف اور خصوصیات کو جمع

کر دیا ہے۔ مقصد کے آغاز سے قبل تمہیدی طور پر علمِ حدیث کی بعض عمومی بحثیں بھی ہیں؛ البتہ کئی مقامات پر مصنف کا قلم لغزش کھا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ نے اس کتاب میں درآنے والے اوہام پر کلام کیا ہے۔ علامہ کتانیؒ فرماتے ہیں: ''إن في الحطة أوهامًا'' (فہرس الفہارس ۱/۳۶۳) علی حسن الحلبی کی تحقیق وتعلیق سے کتاب کا نیا ایڈیشن بیروت اورعمان سے شائع ہو چکا ہے۔

۴- ''في رحاب السنة الكتب الصحاح الستة'': یہ فضیلۃ الشیخ محمد ابوشہبہ کی تصنیف ہے، جس میں انھوں نے کتب ستہ میں سے ہر ایک کا الگ الگ مفصل تعارف اور اس کی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔ شروع میں سنت کی قدرو منزلت کے حوالے سے فاضلانہ مقدمہ بھی ہے ۱۸۷ صفحات پر مشتمل یہ اہم کتاب جامع ازہر کے مجمع البحوث الاسلامیۃ کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

۵- ''موسوعة رجال الكتب التسعة'': یہ دکتور عبدالغفار سلیمان البنداری اور سید کسروی حسن کی مشترکہ تصنیف ہے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں کتبِ تسعہ کے رجال کا استقصاء کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ مسند ابی حنیفہ اور مسند الشافعی کے رجال کو بھی جمع کر دیا گیا ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت نے یہ موسوعہ شائع کیا ہے۔

صحاح ستہ کے اطراف

محدثین کی زبان میں مسانید اور اطراف دونوں میں مرکزی توجہ روایت کنندہ صحابی پر ہوتی ہے یعنی ہر صحابی کی مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا کیا جاتا ہے؛ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ مسانید میں پوری حدیث بیان کرتے ہیں؛ مگر اطراف میں صرف حدیث کا کوئی مشہور حصہ بیان کر کے شیخین اور سنن کے تمام مشترک اور مخصوص طرق کا ذکر کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر حدیث کے شروع سرے کو اتنا بیان کر کے کہ جس سے باقی حدیث کی

یاد دہانی ہو جائے، اس کی تمام اسانید کو بالاستیعاب بیان کیا جاتا ہے یا ان کتابوں کا پتہ دے دیا جاتا ہے کہ جن میں یہ حدیث مروی ہے، اس موضوع پر بہت سے حفاظ حدیث نے داد تحقیق دی ہے، ان میں سب سے پہلے جن بزرگ نے صحیحین پر اطراف لکھے ہیں، وہ حافظ ابو مسعود دمشقی ۴۰۱ھ ہیں۔ ان کے بعد حافظ ابو محمد خلف بن محمد ۴۰۱ھ، حافظ ابونعیم اصفہانی اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہ علمی خدمت انجام دی ہے۔

صحیحین کے علاوہ کتبِ خمسہ کے اطراف حافظ احمد بن ثابت ازدی نے بھی لکھے، اور کتب ستہ کے اطراف لکھنے والے یہ بزرگ ہیں: حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ، حافظ ابوالحجاج جمال الدین المزی ۶۴۲ھ، حافظ شمس الدین ابوالمحاسن محمد بن علی الحسینی الدمشقی، حافظ ابوالقاسم بن عساکر، حافظ سراج الدین ابوحفص عمر بن نورالدین علی بن احمد الانصاری المعروف بابن الملقن، اس کے علاوہ بھی اور بہت سی کتابوں کے اطراف لکھے گئے ہیں، حافظ ابن طاہر نے امام اعظم کی احادیث پر اطراف لکھے ہیں، جس کا نام ''اطراف احادیث ابی حنیفہ'' ہے۔ (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علم الحدیث، مولانا محمد علی کاندھلویؒ، ص ۴۹۸)



مصنّفین صحاح ستہ کی نسبی اور وطنی نسبت

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحاح ستہ کے مصنّفین سب کے سب وطنی اعتبار سے عجم سے تعلق رکھتے ہیں؛ چنانچہ امام بخاریؒ کا وطن بخارا ہے، امام مسلمؒ کا وطن نیشاپور بھی اسی کے قریب واقع ہے۔ امام ترمذیؒ، ترمذ سے تعلق رکھتے ہیں جو دریائے جیحوں کے ساحل پر واقع ہے اور روس میں شامل رہا ہے۔ امام ابوداؤد سجستان کے ہیں، جو سیستان کا معرب ہے ایک قول کے مطابق سندھ و ہرات کے درمیان ایک خطہ کا نام ہے جو قندھار سے متصل ہے۔ ابن خلکان کے بہ قول بصرہ کے قریب ایک قریہ ہے؛ مگر قول اول ہی صحیح ہے۔ اس وقت یہ خطہ ایران کا ایک حصہ ہے۔ امام نسائی کا وطن ''نساء'' ہے۔ جو شہر مرو کے قریب خراسان کا ایک شہر ہے۔ امام ابن ماجہ قزوین سے تعلق رکھتے ہیں، جو عراق عجم کا مشہور شہر ہے۔ اور ایران کے صوبے آذربائجان میں واقع ہے۔

البتہ وطن کے اعتبار سے عجمی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب کے سب فارسی النسل تھے؛ بلکہ ان میں سے صرف امام بخاریؒ اور ابن ماجہؒ فارسی النسل ہیں۔ باقی سارے حضرات عربی النسل ہیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''تعجب ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور نواب صدیق حسن خاں نے مصنّفین ''صحاح ستہ'' کو اہل فارس میں شمار کیا ہے؛ حالاں کہ تاریخ سے بہ جز امام بخاری یا امام ابن ماجہ کے اور کسی کا فارسی النسل ہونا ثابت نہیں، امام مسلم کے متعلق خود علامہ نوویؒ کی

تصریح موجود ہے۔ ''**القشيري نسباً نيسابوري وطنًا، عربي صلبية**'' اور امام ابوداؤد ازدی ہیں، امام ترمذی سُلمی''۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۸)

ائمہ ستہ کی جائے پیدائش اور وطنی نسبت

محمد بن اسماعیل بخاریؒ	بخاری۔ازبکستان
مسلم بن حجاجؒ	نیشاپور، ایران
احمد بن شعیب نسائیؒ	نسا، ترکمانستان
ابوداؤد سلیمان بن اشعثؒ	سجستان، ایران
ابوعیسی محمد ترمذیؒ	ترمذ، ازبکستان
محمد بن ماجہؒ	قزوین، ایران

گویا موجودہ جغرافیائی اعتبار سے ائمہ ستہ میں سے تین کا تعلق ایران سے ہے، دو کا ازبکستان اور ایک کا تعلق ترکمانستان سے ہے۔



ائمہ ستہ کی عالی سندیں

سند حدیث پاک کی اساس ہے،سند سے ہی حدیث کی حیثیت متعین ہوتی ہے،محدثین کی کوشش ہوتی ہے کہ کم سے کم واسطوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا جائے ، اس اعتبار سے سند کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں: سند عالی اور سند نازل، علامہ جمال الدین نے سند عالی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”وهو ماقربت رجال سنده من رسول الله ﷺ بسبب قلة عددها، بالنسبة إلى سند آخر يرد بذلك الحديث بعينه بعدد كثير أو بالنسبة لمطلق الأحاديث“. (قواعد التحديث: ۱۰۸)

سند عالی وہ ہے جس میں سند کے رجال کی قلت تعداد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں اور یہ قرب بہ نسبت اسی حدیث کی دوسری سند کے ہو،جس کے راویوں کی تعداد زیادہ ہو یا مطلق اسانید کی نسبت سے ہو۔“

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی دو قسمیں کی ہیں: علو مطلق اور علو نسبی ۔

اگر چہ حدیث کی جودت اور قوت کا مدار اس کے رجال کی عمدگی اور قوت پر ہے، چنانچہ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

”ليس جودة الحديث قرب الإسناد بل جودة الحديث صحة الرجال“. (فتح المغيث للسخاوى ۳/ ۳۰۴)

تاہم محدثین کے یہاں سند عالی کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے،علو سند سے خلل کا احتمال کم ہوتا ہے،اورسلف نے اس کے لیے بھی لمبے لمبے اسفار کیے ہیں: حافظ ابوالفضل

مقدسی کہتے ہیں: **أجمع أهل النقل على طلبهم العلو ومدحه؛ إذ لو اقتصروا على سماعه بنزول لم يرحل أحد منهم**". (منهج النقد،۳۵۸)

"سند عالی کی طلب اور اس کے قابل تعریف ہونے پر علماء حدیث کا اجماع ہے؛ اس لیے کہ اگر وہ صرف سند نازل سے سماع پر اکتفا کرتے تو ان میں سے کوئی بھی طلب حدیث کے لیے رخت سفر نہ باندھتے۔"

سند عالی کے مقابلے میں سند نازل ہوتی ہے، جس میں راویوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ۔اس کی بھی اقسام اور تفصیلات ہیں جو فن کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ذیل میں ائمہ ستہ کی اسناد عالیہ اور اسناد نازلہ درج کی جارہی ہیں:

امام بخاریؒ کی عالی سند

امام بخاریؒ کی عالی سند ثلاثیات ہے۔یعنی امام بخاریؒ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔صحیح بخاری میں کل بائیس ثلاثیات ہیں، جو تین صحابہ حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان ثلاثیات میں امام بخاریؒ کے پانچ اساتذہ ہیں، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم النبیل، محمد بن عبداللہ الانصاری، خلاد بن یحییٰ اور عصام بن خالد۔

ان بائیس میں سے گیارہ روایات تنہا مکی بن ابراہیم کی ہیں، جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ہیں۔

امام ترمذیؒ کی عالی سند

امام ترمذیؒ کی عالی سند ثلاثی ہے اور پوری ترمذی میں ایک ہی ثلاثی روایت ہے، جس میں امام ترمذیؒ کے استاذ اسماعیل بن موسیٰ الکوفی ہیں۔ان کے شیخ عمر بن شاکر ہیں اور وہ صحابیِ رسول حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ (دیکھیے: ترمذی، حدیث: ۲۲۶۰)

امام ابن ماجہؒ کی عالی سند

امام ابن ماجہ کی عالی سند ثلاثی ہے، ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہیں اور پانچوں ایک ہی سند **عن جبارة بن مغلس عن كثير بن سليم عن أنس بن مالك** مروی ہیں۔ (روایات کے لیے دیکھیے: **كتاب الأطعمة** میں **باب الوضوء عند الطعام**، **باب الشواء** اور **باب الضيافة**، نیز **كتاب الطب** میں **باب الحجامة** اور **كتاب الزهد** میں **باب صفة أمة محمد صلى الله عليه وسلم**)

امام مسلمؒ کی عالی سند

امام مسلمؒ کی عالی سند رباعی ہے۔ مسلم شریف میں ایک بھی ثلاثی روایت نہیں ہے۔ تاہم بہ کثرت ایسی روایات ہیں جن میں امام مسلمؒ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چار وسائط ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جن میں امام مسلمؒ کے یہاں وسائط کم ہیں اور امام بخاریؒ کے یہاں زیادہ ہیں۔ مثلاً امام مسلمؒ کے یہاں اگر وہ روایت رباعی ہے تو امام بخاریؒ کے یہاں وہ روایت خماسی ہے۔ اگر امام مسلمؒ کے یہاں خماسی ہے تو امام بخاریؒ کے یہاں روایت سداسی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب ''عوالی مسلم'' میں ایسی کل چالیس روایات جمع کر دی ہیں۔ یہ گویا امام مسلمؒ کے لیے ایک گونہ فضیلت کی چیز ہے۔ (دیکھیے: مباحث فی الحدیث وعلومہ ص ۲۸۴-۲۸۵)

امام نسائیؒ اور ابوداؤدؒ کی عالی سندیں

امام نسائیؒ کی سب سے عالی سند رباعی ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤدؒ کی بھی عالی سند رباعی ہے۔ سنن أبي داؤد میں کل ۲٦۷ رباعی روایات ہیں۔ اور ایک بھی ثلاثی روایت نہیں ہے۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ، مصنّفین صحاح ستہ کی اسانیدِ عالیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

''مصنّفین صحاحِ ستہ میں سے امام بخاری، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بھی بعض تبع تابعین کو دیکھا اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اس بنا پر اس علو اسناد میں وہ بھی امام شافعی اور امام احمد کے ساتھ شریک ہیں؛ حالاں کہ امام شافعیؒ کی وفات کے وقت امام بخاریؒ دس برس کے تھے۔ اور امام ابوداؤد کل دو سال کے اور امام ابن ماجہ تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے؛ چنانچہ ان حضرات کی تصانیف میں ثلاثیات حسب ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری-۲۲ (۲) سنن ابن ماجہ-۵

(۳) سنن ابی داؤد-۱ (۴) جامع ترمذی-۱

امام مسلم اور امام نسائی کو کسی تبع تابعی سے کوئی روایت نہ مل سکی؛ اس لیے ان دونوں حضرات کی سب سے عالی روایات رباعیات ہیں، جن کو ان کے اساتذہ نے تبع تابعین سے اور انھوں نے تابعین سے اور انھوں نے صحابہ سے سنا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں بھی رباعیات بکثرت موجود ہیں اور اس اعتبار سے امام ابن ماجہ کو دیگر ارباب صحاح ستہ پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کہ امام بخاری کے بعد ان کی ثلاثیات کی تعداد سب سے زیادہ ہے؛ حالاں کہ وہ عمر میں امام مسلم سے پانچ سال اور امام ابوداؤد سے سات سال چھوٹے ہیں۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص:۱۱۹)

تنبیہ: اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ صحاح ستہ میں سے فقط صحیح بخاریؒ، سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی میں ثلاثی روایات ہیں۔ ان کے علاوہ صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ایک بھی ثلاثی روایت نہیں ہے؛ لہٰذا مولانا نعمانیؒ کا ابوداؤد شریف میں بھی ایک ثلاثی روایت ہونے کا قول محلِ نظر ہے۔ غالباً اس اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ دراصل بہت پہلے حافظ شمس الدین سخاویؒ باب فی الحوض کی ایک روایت کو ثلاثی کہہ چکے ہیں۔ (فتح المغیث ۳/ ۳۵۷) لیکن درحقیقت وہ بھی رباعی ہی ہے۔ زیادہ

سے زیادہ اس کو رباعی فی حکم الثلاثی کہہ سکتے ہیں؛ اس لیے کہ دو راوی ابو طالوت اور ان کے شیخ جو یہاں مجہول ہیں، ایک ہی طبقہ (تابعی) سے تعلق رکھتے ہیں۔

مصنّفین کتب ستہ کی نازل سندیں

امام بخاریؒ کی سب سے نازل سند تُساعی ہے۔ یعنی وہ روایت جس میں امام بخاریؒ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نو واسطے ہیں۔ اور ایسی تساعی روایت بخاری میں صرف ایک ہے۔ (دیکھیے: کتاب الفتن، باب یاجوج ماجوج، حدیث نمبر: ۱۰۵۶)

امام مسلمؒ کی بھی سند نازل تُساعی ہے۔ (دیکھیے: حدیث نمبر: ۵۰ اور حدیث نمبر: ۲۴۹۰)

امام ابوداوٗدؒ کی نازل سند عُشاری ہے اور ایسی ایک ہی روایت سنن ابی داوٗد میں ہے۔ (دیکھیے: حدیث نمبر: ۳۲۹۲)

امام نسائیؒ کی بھی سند نازل عُشاری ہے؛ چنانچہ **"باب الفضل فی قراءۃ قل ھو اللہ أحد"** کے تحت روایت نقل کر کے امام نسائیؒ فرماتے ہیں: **"ما أعرفُ إسنادًا أطولَ مِنْ ھذا"**.

امام ترمذیؒ کی بھی سب سے نازل سند عُشاری ہے؛ چنانچہ امام ترمذیؒ نے بھی ایک حدیث میں وہی سند ذکر کی ہے، جس کا تذکرہ نسائی کے حوالے سے اوپر کیا گیا۔

امام ابن ماجہؒ کی سند نازل تساعی ہے اور اس سند سے **باب فی الإیمان** میں روایت نقل کرنے کے بعد ابن ماجہؒ فرماتے ہیں: **"قال أبو الصلت: لو قُرِئَ ھٰذا الإسنادُ علی مجنون لبرأ"** (اس سند کو اگر کسی مجنون پر پڑھ دیا جائے تو اس کا پاگل پن جاتا رہے) (تفصیلات کے لیے: مباحث فی الحدیث وعلومہ، از حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری)



ہندوستان میں کتب ستہ کے درس کا آغاز

پہلی صدی کے اوائل ہی میں جب اسلام کی شعاعوں سے ظلمت کدۂ ہند روشن ہوا تو اس کے ساتھ آنے والے قافلوں نے انوار نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیمتی ارشادات وفرمودات سے بھی اس سرزمین کو تابانی بخشی، ۱۵ھ میں ہی مجاہدین اسلام کے ایک لشکر نے بھروچ اور تھانے پہنچ کر پہلے پہل اس خطۂ کفروشرک میں خدائے برحق کی یکتائی کا اعلان کیا جس کی قیادت امیر بحرین حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ کے بھائی حضرت حکم بن ابی العاصؓ کے ہاتھوں میں تھی، پھر۹۲ھ میں اسلام کے بطل جلیل محمد بن قاسم ثقفیؒ نے درۂ خیبر کے راستے ہندوستان پر حملہ کر کے اسے اسلامی قلم رو میں شامل کرلیا۔

۱۵۹ھ میں عباسی خلیفہ محمد بن منصور المہدیؒ نے ایک لشکر جرار سمندری راستے سے ہندوستان بھیجا اس لشکر نے بھروچ کے قریب باربد پہنچ کر اس پر غلبہ حاصل کرلیا، لیکن واپسی میں طاعون پھیل گیا جس سے ایک ہزار افراد لقمۂ اجل ہو گئے جن میں مشہور محدث اور اسلام کے ابتدائی مصنف ربیع بن صبیح بصریؒ بھی شامل تھے، جن کے بارے میں حاجی خلیفہ چلپی کی رائے ہے ”أول من صنف في الإسلام“ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ”أول من جمع الحديث بالبصره“ کا سہرا انہی کے سر باندھا ہے۔

مجموعی اعتبار سے گو ابتدائی صدیوں میں علم حدیث کا ہندوستان میں چرچا کم رہا، البتہ خصوصیت کے ساتھ نویں دسویں صدی ہجری میں محدثین کرام کی خاصی تعداد اس ملک میں وارد ہوئی، اور بہت سے علماء نے حرمین شریفین حاضر ہو کر علم حدیث حاصل کیا

،ان میں زیادہ مشہور شیخ حسام الدین علی متقی حنفیؒ صاحب کنز العمال (م ۹۷۵ھ) اور ان کے فاضل شاگرد علام محمد بن طاہر پٹنیؒ صاحب مجمع بحار الانوار (م ۹۸۶ھ) ہیں ،ان حضرات کے بعد شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) نے علماء حجاز سے علم حدیث حاصل کر کے ہندوستان میں دلی کو اس کی نشر واشاعت کا مرکز بنایا، آپ نے اور آپ کے اولاد واحفاد وتلامذہ نے اس کو عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

البتہ ہندوستان میں باضابطہ اصول ستہ کے درس کی داغ بیل ڈالنے والی بابرکت شخصیت امام الہند حضرت شاولی اللہ احمد بن عبد الرحیم محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) کی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے صرف تین کتب حدیث کے باضابطہ درس کا معمول تھا: مشارق الأنوار للصغاني، مصابيح السنة للبغوي يا مشكاة المصابيح للتبريزي.

شاہ صاحبؒ نے اصول ستہ پڑھنے اور سند متصل کے ساتھ ان کو حاصل کرنے کی غرض سے حجاز مقدس کا سفر کیا، وہاں سال بھر سے زائد قیام رہا، شیخ ابو طاہر مدنیؒ اور دیگر محدثین سے اصول ستہ کا سماع حاصل کر کے ایک نیا ذوق لے کر لوٹے اور دہلی میں نہایت اہتمام سے صحاح ستہ کا درس دینا شروع کیا، آپ کے بعد آپ کے علوم کی وراثت آپ کے فرزند گرامی شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) کی جانب منتقل ہوئی، ان کے بعد اس سلسلے کو ان کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ (م ۱۲۶۲ھ) نے بڑھایا، شاہ اسحاقؒ کے مکہ مکرمہ ہجرت کر جانے کے بعد آپ کے واقعی جانشین شاہ عبد الغنی مجددیؒ (م ۱۲۹۶ھ) قرار پائے، شاہ عبد الغنیؒ نے بھی سالہا سال خاص شان کے ساتھ صحاح ستہ کا درس دیا اور سینکڑوں شاگرد تیار کیے، انہی میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م ۱۲۹۷ھ) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) اور حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ (م ۱۳۰۰ھ) ہیں۔

محرم ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کے ذریعہ دیوبند میں ایک مدرسہ اسلامیہ (دار العلوم) کا قیام عمل میں آیا، اس طرح علم ومعرفت کا قافلہ

ولی اللّٰہی دہلی سے منتقل ہوکر دیو بند میں خیمہ زن ہوگیا، اور دیو بند کو صحاح ستہ کے درس کے حوالے سے مرکز ثقل کی حیثیت حاصل ہوگئی ،دارالعلوم کے قیام کے چھ ماہ بعد سہارنپور میں مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (م۱۳۰۲ھ)اور مولانا سعادت علیؒ فقیہ سہارنپور(م ۱۲۸۶ھ) کے ہاتھوں ایک اور عربی مدرسہ (مظاہر العلوم) کی بنیاد پڑی ،ان دونوں مرکزی اداروں نے علم حدیث کی نشر واشاعت اور خاص شان کے ساتھ صحاح ستہ کے درس میں نمایاں کردارادا کیا،اور تعلیمی سلسلے کے آخری سال کو صرف صحاح ستہ کے درس کے لیے خاص کر دیا گیا جس کو دورۂ حدیث شریف کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بعد میں دارالعلوم کے نہج پر برصغیر کے طول وعرض میں قائم ہونے والے مدارس میں بھی یہی ذوق کارفرما رہا،اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری بلکہ روز افزوں ہے،اس وقت صرف دارالعلوم دیو بند میں دورۂ حدیث شریف میں باضابطہ شریک طلبہ کی تعداد پندرہ سو سے متجاوز ہے جب کہ دارالعلوم کے ایک مایۂ ناز فاضل واستاذ مولانا عبدالحق صاحبؒ کے قائم کردہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پاکستان میں یہ تعداد سولہ سو سے بھی زائد ہے، اسی طرح بنگلہ دیش میں واقع دارالعلوم معین الاسلام ہاٹ ہزاری میں دورۂ حدیث میں شریک طلبہ کی تعداد ۱۸۵۹ ہے۔



صحاح ستہ

کا

انفرادی تعارف

کتب ستہ کی مشترکہ خصوصیات ذکر کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی اعتبار سے بھی چھ کی چھ کتابوں کی خصوصیات پر روشنی ڈال دی جائے ،اس میں خصوصیت کے ساتھ اختصار کا خیال رکھا گیا ہے اس لیے کہ انفرادی تعارف وخصوصیات عام طور سے کتابوں میں موجود ہیں۔

انفرادی تعارف میں مشہور قول کے مطابق صحت کے اعتبار سے کتابوں کی درجہ بندی کا خیال رکھا گیا ہے۔لہذا ترتیب یہ رہے گی:

صحیح بخاری

صحیح مسلم

سنن نسائی

سنن ابی داود

سنن ترمذی

سنن ابن ماجہ۔

انفرادی تعارف میں اولا ان کتابوں کے مصنفین کے احوال وتراجم پر روشنی ڈالی جائے گی،ثانیا کتاب کی خصوصیات،رواۃ،تعداد روایات اور صرف مشہور عربی شروح وحواشی زیر بحث آئیں گے۔

صحیح بخاری

مصنف کتاب

نام: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیر ہ ،کنیت: ابوعبداللہ، لقب: امیر المؤمنین فی الحدیث ، ولادت: ۱۳ شوال ۱۹۴ھ بعد نماز جمعہ ،مطابق ۸۱۰ء، بہ مقام: بخارا۔ ازبکستان۔

کم سنی میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ کی زیر سرپرستی ابتدائی تعلیم حاصل کی ،امام بخاریؒ بچپن ہی سے نابینا ہو گئے تھے،جس پر آپ کی والدہ محترمہ رب کے حضور خوب آہ وزاری کرتی تھیں ،ایک مرتبہ انہیں خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی ،انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے بیٹے کی آنکھوں میں روشنی عطاء کردی ہے اور یہ تمہاری آہ وزاری کا اثر ہے،جب اٹھیں تو دیکھا کہ فرزند کی آنکھوں میں روشنی آچکی ہے۔ (ہدی الساری،ص:۶۶۲،تاریخ بغداد ۱۱/۲)

بخارا کے محدثین کے علاوہ اخذ حدیث کے لیے دورونزدیک کے درجنوں مراکز علمیہ اور بلاد اسلامیہ کا سفر کیا اور مختلف قسم کی صعوبتیں برداشت کیں،آپ کے اساتذہ کی مجموعی تعداد ایک ہزار اسی تک پہنچی ہوئی ہے ،صرف سولہ سال کی عمر میں عبداللہ بن المبارکؒ اور وکیع کی کتابیں حفظ کر لی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۳۹۵)

صحیح البخاری میں آپ نے دوسونواسی (۲۸۹) شیوخ سے احادیث کی تخریج کی ہے۔ (أعلام المحدثین ص:۱۱۲)

قوت حافظہ

فیاض ازل نے آپ کو زبردست قوت حافظہ عطا کیا تھا، حاشد بن اسماعیلؒ فرماتے

ہیں کہ: امام بخاریؒ ہمارے ساتھ بصرہ کے ایک محدث کے پاس جاتے تھے، سب لکھتے تھے لیکن وہ صرف سماعت پر اکتفاء کرتے تھے، سولہ دن بعد ہم نے ان سے کہا کہ آپ اپنا وقت کیوں ضائع کررہے ہیں، اس پر امام بخاریؒ نے فرمایا: آپ حضرات اپنی لکھی ہوئی کاپیاں لائیے، چنانچہ ہم نے اپنی کاپیاں ان کے سامنے لاکر رکھ دیں جو پندرہ ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل تھیں، امام بخاریؒ نے اپنے حافظہ سے وہ تمام حدیثیں صحیح سند کے ساتھ سنادی، حاشد بن اسماعیلؒ کہتے ہیں: ہم امام بخاری کے حافظہ سے اپنے نوشتوں کی تصحیح کرتے تھے۔ (ہدی الساری ص:٦٦٣)

امام بخاری جب بغداد تشریف لائے تو وہاں کے محدثین نے بہ غرض امتحان سو احادیث کے متون اور اسانید میں الٹ پھیر کر کے، دس دس احادیث کو دس آدمیوں کو دے کر امام بخاری کے سامنے پیش کیا، امام بخاری ہر حدیث پر صرف ''لا ادری'' فرماتے، جب سبھی حضرات سنا کر فارغ ہو گئے تو آپ پہلے محدث کے طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے پہلی حدیث جس سند کے ساتھ سنائی وہ غلط ہے، اور آپ نے سند غلط انداز میں اس طرح سنائی ہے؛ جب کہ صحیح سند اس طرح ہے، پھر اصل سند اور اصل متن پیش کیا، اسی طرح یکے بعد دیگرے بالترتیب ہر ایک محدث کی حدیث ان کے سنانے کے مطابق دہرائی اور پھر اصل اور صحیح سند و متن سنادیا، غرض جس ترتیب سے دس محدثین نے سو احادیث سنائی تھی اسی ترتیب سے ہر ایک روایت دہرا کر صحیح سند و متن کے ساتھ بیان کردیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''**فما العجب من رده الخطأ إلى الصواب فإنه كان حافظًا، بل العجب من حفظه للخطأ على ترتيب ما ألقوه عليه من مرة واحدة**''. (هدى الساری ص ٦٧٢)

''تعجب اس میں نہیں کہ صحیح اور غلط میں امتیاز کردیا؛ اس لیے کہ وہ تو حافظ حدیث تھے ہی، بلکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ امام بخاری نے ان کی غلط حدیثیں بھی یاد رکھیں اور بالترتیب ان کو بیان کردیا''۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ سمرقند میں بھی پیش آیا۔ (دیکھیے: البدایۃ والنھایۃ ۲۵/۱۱)

تقویٰ اور دیانت

اس کے ساتھ ہی ورع وتقوی کے لحاظ سے بھی بلند مقام پر فائز تھے، آپ نے زندگی بھر کسی کی غیبت نہیں کی، آپ فرماتے تھے: ''انشاء اللہ آخرت میں میرا کوئی خصم نہیں ہوگا'' تلاوت کا بڑا اہتمام تھا، دن میں روزانہ ایک ختم قرآن اور اخیر شب میں ایک تہائی قرآن پڑھنے کا معمول تھا، تراویح کی ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے، نماز بڑے ذوق وشوق سے ادا فرماتے، بکر بن منیرؒ فرماتے ہیں: ''**كان محمد بن إسماعيل يصلي ذات ليلة، فلسعه الزنبور سبع عشرة مرة، فلما قضى الصلاة، قال: انظروا أيش آذاني**''. ایک مرتبہ امام بخاری نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے دوران سترہ مرتبہ بھڑ نے ڈنک مارا، جب نماز مکمل کی تو فرمایا: دیکھو مجھے کس چیز نے پریشان کر رکھا ہے؟''

یعنی آپ نے نماز نہیں توڑی اور نہ ہی خشوع وخضوع میں کوئی فرق آیا۔

خطیب بغدادی نے اپنی سند سے فربریؒ سے نقل کیا ہے کہ کہ ایک بار مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے دریافت فرمایا: کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا: محمد بن اسماعیل کے پاس جا رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا: ان سے میرا سلام کہنا۔'' (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۳۹)

اپنی دیانت وثقاہت کا بڑا خیال تھا، ایک مرتبہ دریائی سفر میں ایک شخص نے آپ کے پاس ہزار درہم دیکھ کر شور مچانا شروع کیا کہ میرے ہزار درہم چوری ہو گئے، فورا تلاشی شروع ہوگئی، امامؒ نے جب دیکھا کہ میری بھی تلاشی لی جائے گی تو اپنے ہزار درہم چپکے سے دریا میں ڈال دیے، تلاش کے بعد جب آپ کے پاس دراہم نہ نکلے تو اس شخص نے اکیلے میں پوچھا: آپ کے پاس ہزار دراہم تھے کہاں گئے؟ فرمایا: میں نے سمندر میں ڈال دیا، اس جواب پر وہ دم بہ خود رہ گیا کہ اس خطیر رقم کو کیوں پانی میں ڈال دیا، تو

پورے اطمینان سے جواب دیا کہ پوری زندگی حدیث پاک کی تدوین وترتیب میں گزاری، اور میری ثقاہت ودیانت مشہور ہے، اگر وہ دراہم میرے پاس مل جاتے تو میں لوگوں کی نظر میں چور سمجھا جاتا اور میری ثقاہت مشتبہ ہوجاتی، اس لیے میں نے مالی نقصان برداشت کیا تاکہ ثقاہت پر آنچ نہ آئے۔ (سیرۃ الامام بخاری ا/۱۲۳۔ کشف الباری، ص:۱۳۲)

وفات

اخیر عمر میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ مخالفین کے ہاتھوں بڑے مصائب اور آلام جھیلنے پڑے، حتی کہ آپ نے دعا کی: الٰہی! زمین مجھ پر اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوچکی ہے اس لیے مجھ کو اپنے پاس بلا لیجیے! بالآخر ۲۵۶ھ عید الفطر کی شب میں ۱۲ دن کم ۶۲ / برس کی عمر میں حدیث وسنت کا یہ آفتاب عالم تاب غروب ہوگیا، بعد ظہر خرتنگ میں مدفون ہوئے، جو سمرقند سے دس میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، ''صدق'' سے ولادت (۱۹۴ھ)، ''نور'' سے وفات (۲۵۶ھ) اور ''حمید'' سے عمر (۶۲) کے اعداد نکلتے ہیں، دفن کے بعد قبر سے مشک کی خوشبو پھوٹ پڑی، لوگ قبر کی مٹی اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے جس کے بعد قبر کے اوپر لکڑی کا ڈھیر کردیا گیا، اس کے بعد قبر کے مقابل آسمان پر سفید نور کے ستون نظر آئے جسے کثرت سے لوگ دیکھنے آتے رہے، مخالفین کو معلوم ہوا تو وہ بھی آئے اور توبہ کی۔

کتاب کا تعارف

کتاب کا نام اور اس کی وضاحت

امام بخاری کی صحیح کا مکمل نام یہ ہے: ''**الجامع المسند المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه**''. (تحقيق اسمى الصحيحين واسم جامع الترمذي، ص: ۹)

الجامع : وہ کتاب کہلاتی ہے جس میں جمیع ابواب دین سے متعلق احادیث موجود ہوں۔

المسند: یعنی جو سند متصل کے ساتھ مذکور ہو، مطلب یہ کہ اتصال کے ساتھ روایت کی سند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔

الصحیح: یعنی اس میں صحیح احادیث ہیں، صحیح وہ حدیث ہے جس کے تمام رواۃ عادل، تام الضبط ہوں، اس کی سند متصل ہو نیز وہ حدیث معلل اور شاذ نہ ہو۔

المختصر : یعنی اس کتاب میں تمام روایات صحیحہ کا استیعاب نہیں ہے، امام بخاری خود فرماتے ہیں: "**خرجت الصحیح من ست مئة ألف حدیث**" یعنی میں نے چھ لاکھ حدیثوں سے اس کتاب کا انتخاب کیا" نیز فرماتے ہیں: "**ما أدخلت في کتابي الجامع إلا ما صحّ وترکت من الصحیح حتی لایطول**" (ہدی الساری، ص:۷) "یعنی میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح روایات کو لیا ہے اور بہت سی صحیح حدیثوں کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے"۔

من: بیانیہ ہے، اس کا تعلق گزشتہ چاروں کلمات سے ہے، صرف مختصر سے نہیں۔

أمور: اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور احوال مراد ہیں۔

سننه: سنن، سنة کی جمع ہے، سنت کا اطلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال افعال اور تقریرات پر ہوتا ہے۔

أیامه: اس سے دیگر واقعات اور غزوات مراد ہیں، ایام العرب عرب کی جنگوں کو کہا جاتا ہے۔

سبب تالیف

امام بخاری اپنے رفقاء کے ہمراہ اپنے استاذ اور مشہور محدث اسحاق بن راہویہؒ کے حلقۂ درس میں تھے تو انہوں نے فرمایا:" **لو جمعتم کتابًا مختصرا لصحیح سنة**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"، "اگر تم رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی صحیح احادیث پر مشتمل ایک مختصر کتاب تالیف کردو (تو بڑا اچھا ہوگا)" استاذ کے اس جملے پر امام بخاری نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھانے کا عزم مصمم کرلیا اور اس طرح یہ تالیف وجود میں آئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۰۱)

محمد بن سلیمان بن فارسؒ کہتے ہیں: امام بخاریؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں، میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں اس پنکھے کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکھیاں اڑا رہا ہوں، اس خواب کی تعبیر معبرین نے یہ دی کہ آپ کو یہ سعادت حاصل ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے کذب وافتراء کو دور کریں گے اور کلام نبوت کو کلام غیر سے ممتاز کریں گے، امام بخاری فرماتے ہیں: "فهو الذي حملني على إخراج الجامع الصحيح" (ہدی الساری:۷) یعنی اس خواب نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر آمادہ کیا۔

کیفیت تالیف

امام بخاری ہر روایت کو لکھنے سے پہلے غسل فرماتے، دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر اس حدیث کی صحت کے بارے میں استخارہ کرتے، جب تائید غیبی سے انشراح ہو جاتا تب اس کو اپنی کتاب میں لکھتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مشائخ کا قول ابن عدیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے روضۂ اطہر اور منبر نبوی کے درمیان اپنی کتاب کے تراجم قائم کیے اور ہر ترجمے کے لیے دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ "إن البخاري حوّل تراجم جامعه بين قبر النبى صلى الله عليه وسلم ومنبره و كان يصلي لكل ترجمة ركعتين". (هدى السارى، ص: ٦٧٢)

تعداد روایات

صحیح بخاری میں کتب کی تعداد ۹۷ اور ابواب کی تعداد تین ہزار چار سو پچاس

(۳۴۵۰) ہے، تعداد روایات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، حافظ ابن الصلاحؒ کے مطابق ۷۲۷۵ اور حذف تکرار کے بعد چار ہزار روایات ہیں؛ جبکہ حافظ ابن حجرؒ کے شمار اور تنقیح کے مطابق مجموعی تعداد ۷۲۶۱ ہے۔ (دیکھیے: ہدی الساری، ص:۶۴۸، حدیث اور فہم حدیث، ص:۱۴۵)

جبکہ محمد فؤاد عبدالباقیؒ کی ترقیم کے مطابق کل روایات تکرار کے ساتھ سات ہزار پانچ سو تریسٹھ (۷۵۶۳) ہے۔ تعداد میں اختلاف کے اسباب پر سابق میں گفتگو کی جاچکی ہے۔

اہم شروح:

بخاری شریف کی عظمت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالی قرار دیا گیا ہے، یعنی قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ قابل اعتماد یہی کتاب ہے، اور اس کا فیض چہار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، خود امام بخاریؒ سے ان کی اس صحیح کو ایک لاکھ سے زیادہ انسانوں نے سنا ہے، محمد بن یوسف فربری جو صحیح بخاری کے مشہور راوی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حضرت امام سے نوے ہزار انسانوں نے اس کتاب کا سماع کیا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے شروح کا تو کتب حدیث میں سب سے زیادہ صحیح بخاری کی ہی شرح لکھی گئی، اس کی تعلیقات، متابعات اور رجال پر سب سے زیادہ تحقیقی کام انجام دیئے گئے، اس کی درجنوں شروح ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) کی "فتح الباري"، حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینیؒ (م:۸۵۵ھ) کی "عمدة القاري"، علامہ شہاب الدین احمد قسطلانیؒ (م:۹۲۳ھ) کی "إرشاد الباري"، علامہ شمس الدین محمد بن یوسف کرمانیؒ (م:۷۸۶ھ) کی "الكواكب الدراري"، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ) کی "التوشيح"، حافظ حدیث علاؤ الدین مغلطائی حنفیؒ (م:۷۶۲ھ) کی "التلويح"، ابوالحسن ابن بطال قرطبیؒ کی "شرح صحيح البخاري"، زین الدین ابن رجب حنبلیؒ کی "فتح الباری"، فقیہ النفس حضرت مولانا

رشید احمد گنگوہیؒ (م:۱۳۲۳ھ) کے افادات پر مشتمل " لامع الدراري" اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ (م:۱۳۵۲ھ) کے افادات پر مشتمل "فیض الباري" خاص اہمیت کی حامل اور مشہور شروح ہیں۔

اس موضوع پر غزالہ حامد کی مستقل کتاب "شروح صحیح بخاری" کے نام سے شائع ہوچکی ہے، اپنی تحقیق میں مصنفہ نے صحیح بخاری کی تقریبا دوسو سے زائد شروح کا سراغ لگا کر ان کا تعارف کرایا ہے۔

روایات بخاری

امام بخاری سے اس کتاب کو اگرچہ ہزاروں شاگردوں نے سنا تھا؛ لیکن امام موصوف کے جن تلامذہ سے صحیح بخاری کی روایت کا سلسلہ چلا، وہ چار بزرگ ہیں:
(۱) ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفیؒ المتوفی:۲۹۴ھ (۲) حماد بن شاکر النسفیؒ، المتوفی: ۳۱۱ھ (۳) محمد بن یوسف الفربریؒ المتوفی: ۳۲۰ھ (۴) ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی قرینہ البزدویؒ المتوفی: ۳۲۹ھ۔

ان میں اول الذکر دونوں بزرگ مشہور حنفی عالم ہیں اور ابراہیم بن معقلؒ ان میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حافظ الحدیث بھی تھے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" کے شروع میں اپنا سلسلۂ سند ان چاروں حضرات تک بیان کردیا ہے، فربریؒ نے امام بخاری سے "الصحیح" کا دوبار سماع کیا ہے، ایک بار ۲۴۸ھ میں اپنے وطن "فربر" میں جب امام ممدوح وہاں تشریف لائے ہوئے تھے، اور دوسری بار ۲۵۲ھ میں خود بخارا جاکر سماع کا شرف حاصل کیا۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث:۲۱۴،۲۱۵)



صحیح مسلم

مصنف کتاب

کنیت: ابوالحسن، نام: مسلم بن الحجاج، لقب: عساکر، خراسان کے شہر نیشاپور میں آپ کی ولادت ہوئی۔ حافظ ذہبیؒ کے بہ قول: عرب کے مشہور قبیلہ قشیر کی طرف غالباً نسبت ولاء کی وجہ سے قشری کہلاتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۵۵۸)

تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں ۲۰۲ھ، بعض کے بہ قول ۲۰۴ھ، اور ایک خیال کے مطابق ۲۰۶ھ ہے۔ صاحب جامع الاصول نے قول آخر کو اختیار کیا ہے اور بعض قرائن سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (رہبر علم حدیث، ص: ۱۰۰)

طلب حدیث کے لیے عراق، بغداد، شام اور مصر وغیرہ کا متعدد بار سفر کیا، اور سیکڑوں محدثین سے اخذ حدیث کیا، اپنی ''صحیح'' میں آپ نے جن اساتذہ کی حدیث لی ہے؛ ان کی تعداد دوسوبیس (۲۲۰) تک جا پہنچی ہے۔ (سیر ۱۲/۵۵۹)

امام بخاریؒ آپ کے خاص اساتذہ میں ہیں جب خلق قرآن کے مسئلے میں امام بخاریؒ مطعون کیے گئے اور محمد بن یحیی ذہلیؒ نے ان سے سخت اختلاف کی وجہ سے اعلان کر دیا کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل ہو وہ ہماری مجلس سے چلا جائے تو امام مسلمؒ نے ذہلیؒ سے سنی ہوئی روایات واپس کر دیں اور پھر ان کے درس میں کبھی شریک نہیں ہوئے۔

علمی فضل وکمال کے ساتھ ورع وتقوی کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر کسی کی غیبت کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو برا بھلا کہا۔

آپ علم کے بڑے حریص اور شائق تھے، ایک مرتبہ کسی حدیث کی تلاش میں منہمک تھے گھر والوں نے سامنے کھجور کا ایک ٹوکرا رکھ دیا تھا، حدیث کی تلاش میں اس قدر انہماک رہا کہ کھجور کی خاصی مقدار کھالی اور پتہ بھی نہیں چلا جس سے ہاضمہ خراب ہو گیا اور بالآخر وہی موت کا سبب بن گیا، ۲۴/ رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن شام کے وقت وفات ہوئی اور پیر کے دن نصیر آباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/۳۸۳)

کتاب کا تعارف

صحیح مسلم کا اصل اور مکمل نام: "**المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول الله صلی الله علیه وسلم**" ہے۔ (تحقیق اسمي الصحيحين واسم جامع الترمذي، ص: ۳۸)

اس کتاب میں امام مسلم کا خاص موضوع سرد روایات اور جمع اسانید ہے، اس لیے وہ بہت مرتب انداز میں صحیح احادیث کو متعدد اسانید کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں، اس ترتیب کے اعتبار سے اس کو صحیح بخاری پر بھی ایک گونہ فضیلت حاصل ہے، امام مسلم نے اپنی تصنیف میں انہی احادیث کو لیا ہے جن کی صحت پر معروف ائمۂ حدیث کا اتفاق رہا ہے، چنانچہ خود انہوں نے صراحت کی ہے: "**ليس كل شئ عندي صحيح وضعته ههنا، إنما وضعت ههنا ما أجمعوا عليه**". (صحیح مسلم، باب التشهد: ۴۱۴)

"ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا، میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو درج کیا ہے جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے"۔

امام مسلم نے پندرہ سال کی محنت شاقہ کے بعد حدیث کا یہ عظیم مجموعہ تیار کیا ہے۔

سبب تالیف

(۱) آپ کے ہم عصر اور رفیق خاص احمد بن مسلمؒ نے درخواست پیش کی کہ حدیث

کی کوئی ایسی کتاب تالیف فرمادیں جس میں اسانید کے ساتھ احادیث صحیحہ ہوں، نیز دینی احکام ومسائل اور ترغیب وترہیب پر مشتمل روایات بھی ہوں، چنانچہ ان کی درخواست پر یہ کتاب تصنیف فرمائی۔

(۲) امام مسلم نے جب یہ دیکھا کہ ہر قسم کی روایات بیان کرنے کا رواج بڑھ رہا ہے، تو آپ کو خیال آیا کہ احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ امت کے سامنے پیش کردیا جائے جس کو وہ لائحۂ عمل بنا سکیں، اور ان کے ہاتھوں میں احادیث صحیحہ کا ذخیرہ آجائے، چنانچہ یہ مجموعہ تالیف کیا۔ (مقدمۂ مسلم)

صحیح مسلم کی تبویب

صحیح مسلم کے عناوین کس نے قائم کیے ہیں؟ اس سلسلے میں مختلف آراء پائے جاتے ہیں: دکتور یحییٰ اسماعیل کی رائے یہ کہ صحیح مسلم کے ابواب خود امام مسلم کے قائم کردہ ہیں، اور یہ کہنا کہ امام مسلم نے عناوین قائم نہیں کیے ہیں؛ طلبہ کی عمومی اور متخصصین حدیث کی خصوصی غلطی ہے۔" (مقدمة المحقق، كتاب الاكمال وقيمته العلمية، ج ١ ص ٢٤، ط دار الوفاء.)

لیکن دکتور کی یہ رائے بہ چند وجوہ نا قابل اعتنا ہے؛ جن میں ایک بڑی وجہ ایک ہی باب پر مختلف عناوین کا پایا جانا ہے، چنانچہ صحیح مسلم کے مخطوطات اور شارحین کے عناوین میں اختلاف کثیر ہے، قرطبی کے عناوین الگ اور ابی ونووی کے عناوین الگ ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم میں کتب کے عناوین امام مسلم نے لگائے ہیں اور ذیلی عناوین امام مسلم نے نہیں لگائے ہیں، یہ بات ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ (الامام مسلم بن الحجاج ومنهجه في الصحيح ١/٣٨٨)

تیسری رائے جو عام طور سے برصغیر میں معروف ہے؛ یہ ہے کہ باضابطہ سب سے پہلے امام نوویؒ نے مسلم شریف کے تراجم قائم کیے ہیں، لیکن علی الاطلاق یہ رائے بھی درست نہیں ہے، اس لیے کہ نووی سے پہلے قاضی عیاض مالکی اور ابوالعباس قرطبیؒ وغیرہ

صحیح کے تراجم قائم کر چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی کہتے ہیں: **ذكر ابن دحية في شرح التحرير: إن الذي ترجم أبوابه القاضي.** (البحر الذي ذخر،۲/۵۶۴) قرطبی کے بارے میں صاحب کشف الظنون کاتب چلپی فرماتے ہیں: **شرح ابن عباس القرطبي المتوفى سنة ست وخمسين وست مئة، وهو شرح على مختصر له، ذكر فيه أنه لما لخصه ورتبه وبوبه، شرح غريبه ونبه على نكت من إعرابه.** (كشف الظنون، ۱/۵۵۷)

بلکہ صاحب کشف الظنون کی ہی تصریح کے مطابق متعدد حضرات نے مسلم شریف کے تراجم قائم کیے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں: "**وقد ترجم جماعة أبوابه**"، خود امام نوویؒ نے بھی اس کی تصریح کر رکھی ہے: **وقد ترجم جماعة أبوابه بتراجم بعضها جيد وبعضها ليس بجيد، وأنا أحرص على التعبير عنها بعبارات تليق بها في مواطنها.** (شرح مسلم، ۱:۲۱)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلے نوویؒ نے عناوین قائم نہیں کیے ہیں اور نہ ہی وہ اس میں متفرد ہیں، اور نہ ہی شرح نوویؒ میں قائم کیے گئے سارے عناوین انہی کی اختراع ہیں، چنانچہ بعض مقامات پر قرطبی اور نووی کے عناوین میں یکسانیت ہے، مثلاً **المفهم** میں **باب فضل مجالس الذكر، باب مايقول عندالنوم وأخذالمضجع، باب في الفتنة التي تموج كموج البحر** اور **باب صفة الدجال ومايجيء معه** کے عناوین قرطبی نے قائم کیے ہیں اور یہی بعینہ نووی میں ہیں، اور ابوالعباس قرطبی، نووی سے کچھ مقدم ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نووی نے انہی سے اخذ کیے ہیں۔

استاذ گرامی حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی تصریح کے مطابق مجموعی اعتبار سے قرطبی کے عناوین، نووی کی بہ نسبت زیادہ حاوی اور جامع ہیں۔ اس لیے "نعمۃ المنعم شرح اردو صحیح مسلم" میں حضرت نے وضع عناوین میں قرطبی کا ہی اتباع کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلم شریف میں خود مصنف نے تراجم قائم نہیں فرمائے ہیں؛ اس لیے یہ تراجم اور عناوین مسلم شریف کے حاشیے پر درج ہیں؛ اگرچہ امام مسلم نے اپنی کتاب کو حسنِ ترتیب کے ساتھ ابواب کا لحاظ کرتے ہوئے مرتب فرمایا ہے، جس سے عنوان قائم کرنا آسان ہوگیا ہے۔

ہمارے دیار میں مسلم شریف کا جو نسخہ رائج ہے، اس پر امام نوویؒ کے قائم کردہ تراجم ہیں؛ لیکن ان عناوین میں مسلکی رجحانات کی بھی عکاسی نظر آرہی ہے؛ لہٰذا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم شریف کی مبسوط اور عالمانہ شرح فتح الملہم لکھنی شروع کی تو انھوں نے ازسرنو تراجم قائم کیے جانے کی ضرورت کا بھی اظہار کیا۔

والإنصاف أنه لم يترجم إلى اليوم بمايليق بشأن هذالمصنَف الجليل، ولعل الله يوفق عبدا من عباده لما يؤدي حقه، وبيده التوفيق. (فتح الملهم ۱/ ۱۰۰)

تعداد روایات

خود امام مسلم کا بیان ہے کہ تین لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے چار ہزار احادیث لی ہیں (حذف مکررات کے بعد)۔

احمد بن مسلم کے بہ قول تعداد روایات مکررات کے ساتھ بارہ ہزار اور ابوحفص میانجی کے بہ قول آٹھ ہزار ہے، حافظ ابن حجرؒ نے قول ثانی کو رد کردیا ہے، ممکن ہے شمار کے معیار میں فرق کی بنا پر تعداد میں یہ فرق واقع ہوا ہو۔

محمد فواد عبد الباقیؒ کے شمار کے مطابق حذف مکررات کے بعد تین ہزار تینتیس (۳۰۳۳) روایات ہیں جب کہ کتب کی مجموعی تعداد چون (۵۴) ہے۔

صحیح مسلم کی چند خصوصیات

(۱) یہ حدیث کی دوسب سے معتمد اور بنیادی کتاب صحیحین میں سے ایک ہے۔

(۲) صحاح ستہ میں دوسرے نمبر پر ہے۔

(۳) امت میں اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔

(۴) امام مسلمؒ نے اپنی تین لاکھ احادیث مسموعہ سے اس کا انتخاب کیا ہے۔

(۵) امام مسلمؒ پندرہ سال اس کی تہذیب و تنقیح میں لگے رہے۔

(۶) امام مسلمؒ فرماتے ہیں: " **ما وضعت شيئًا في كتابي هذا إلا بحجة، وما أسقطت منه شيئا إلا بحجة** ". یعنی میں نے اس کتاب میں جو حدیث لی ہے یا جو حدیث نہیں لی ہے، ہر ایک کی پشت پر کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہے۔

(۷) امام مسلمؒ فرماتے ہیں: " **ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا، إنما وضعت ما أجمعوا عليه** ". یعنی میں نے اسی روایت کو لیا ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے۔

(۸) امام مسلمؒ نے ابوزرعہ رازیؒ کے سامنے کتاب پیش کی، جس حدیث کے سلسلے میں انھوں نے کسی علت کی طرف اشارہ کیا، اس کو چھوڑ دیا۔ اور جس کے بارے میں کہا: یہ صحیح ہے اور اسمیں علت نہیں ہے، اسی روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دی۔

(۹) مسلم میں بخاری کی بہت سی روایات ہیں؛ لیکن امام مسلمؒ نے ان کو دوسرے طرق سے روایت کیا ہے۔

(۱۰) ہر حدیث کے جمیع طرق کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے تا کہ متون و اسانید کا اختلاف واضح ہو جائے۔

(۱۱) امام مسلمؒ نے کتاب کا ایک جامع مقدمہ تحریر کیا ہے، جس میں علم حدیث کے اصول کی بابت بنیادی گفتگو فرمائی ہے۔

(۱۲) امام مسلمؒ نے مرفوعات پر اکتفا کیا ہے، چند موقوف روایات بعض مقامات پر تبعا ہیں؛ قصدا نہیں۔

(۱۳) امام نوویؒ کے بہ قول مسلم کی ایک خصوصیت "حدثنا" اور "اخبرنا" کے

درمیان فرق کرنا ہے۔

(۱۴) امام مسلمؒ نے صرف ایک جگہ تیمّم میں حدیث معلق ذکر کی ہے، اس کے علاوہ سولہ مقامات پر تعلیقا روایات لائے ہیں، لیکن ان کو پہلے سند متصل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں، لہٰذا انھیں تعلیقا نہیں کہا جائے گا۔

(۱۵) امام مسلمؒ نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ احادیث کی تین قسمیں ہیں: (أ) **مارواه الحفاظ المتقنون.** (ب) **مارواه المتوسطون في الحفظ والإتقان** (ج) **مارواه الضعفاء المتروكون.** اور بتلایا ہے کہ قسم اول سے فارغ ہو کر قسم ثانی کو ذکر کریں گے۔ اور قسم ثالث سے بالکل تعرض نہیں کریں گے۔ حاکم اور بیہقی کی رائے ہے کہ قسم ثانی کے رواۃ سے احادیث لینے سے پہلے ہی امام مسلمؒ کی وفات ہوگئی، جب کہ قاضی عیاضؒ کے بہ قول: مسلمؒ اپنے وعدے کا ایفا کر چکے ہیں، لہٰذا ان کے نزدیک صحت حسن کو بھی شامل ہوگی۔ (مستفاد از السراج المنیر، ص: ۴۳۰-۴۳۱)

شروح صحیح مسلم

علماء اور محدثین کی ایک جماعت نے صحیح مسلم کی شرحیں، مختصرات و تعلیقات لکھیں اور مختلف ناحیے سے اس کی خدمت کی۔ اس کی اولین شرح "**المعلِم**" ہے، جو علامہ مازریؒ کی تین جلدوں میں مطبوع ہے، قاضی عیاضؒ نے کسی قدر مبسوط شرح کے ذریعے اس کو مکمل کیا اور اس کا نام رکھا "**إكمال المُعلِم**". اس کے بعد علامہ اُبّیؒ نے اس میں مزید اضافہ کر کے اس کا نام رکھا "**إكمال إكمال المعلم**"، پھر علامہ سنوسیؒ نے مزید اضافہ کر کے اس کو نام دیا: "**مكمل إكمال الاكمال**". تو ایک سلسلہ ہے جو باہم مربوط ہے، ہر ایک شارح پیش رو شارح کا کلام ذکر کر کے اس میں مزید اضافے کرتے ہیں۔

مسلم شریف کی مشہور ترین شرح امام نوویؒ کی '**المنهاج الوهاج بشرح صحيح مسلم بن الحجاج**' ہے، یہ ایک کثیر الفوائد متوسط اور ماقبل کی شروح کو

جامع شرح ہے، جس میں امام نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کی ''اکمال'' اور عبداللہ اصفہانیؒ کی ''**التحریر في شرح صحیح مسلم**'' سے خاصا استفادہ کیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اصفہانی کی یہ شرح غیر مطبوع ہے۔ صحیح مسلم کی ایک مطول اور جامع شرح ''**فتح الملهم**'' ہے، جو مشہور عالم دین اور دار العلوم دیو بند کے سابق صدر مہتمم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ہے، لیکن علامہ اس کو صرف کتاب الرضاعہ تک ہی لکھ پائے تھے، بعد میں حضرت مولانا تقی عثمانیؒ نے اس کا تکملہ لکھ کر اس کو مکمل کیا۔ اس طرح فتح الملہم مع تکملہ اس وقت مسلم شریف کی سب سے جامع اور محققانہ شرح ہے۔

ذیل میں شروحِ مسلم و شروحِ مختصراتِ مسلم کا ایک نقشہ دیا جا رہا ہے، جس میں صرف ان شروح کا تذکرہ ہے جو مطبوع ہیں:

۱	**المعلم بفوائد مسلم**	علامہ مازریؒ م ۵۳۶ھ	دار الغرب الاسلامی
۲	**إكمال المعلم**	قاضي عياضؒ م ۵۴۴ھ	دار الوفاء
۳	**المفهم شرح تلخيص صحيح مسلم**	ابو العباس قرطبیؒ م ۶۵۶ھ	دار ابن کثیر
۴	**المنهاج المعروف بشرح النووی**	امام نوویؒ م ۶۷۶ھ	دار المعرفة
۵	**اكمال اكمال المعلم**	علامہ اُبّی م ۸۲۸ھ	دار المعرفة
۶	**مكمل اكمال المعلم**	علامہ سنوسی م ۸۹۲ھ	دار الکتب العلمیة
۷	**الديباج**	علامہ سیوطی م ۹۱۱ھ	دار عفان
۸	**حاشية على صحيح مسلم**	علامہ سندھیؒ م ۱۱۳۶ھ	پاکستان
۹	**السراج الوهاج**	صدیق حسن خاں قنوجی م ۱۳۰۷ھ	المطبع الصدیقی

۱۰	الحل المفهم	افادات حضرت گنگوہیؒ م۱۳۲۳ھ	کراچی
۱۱	فتح الملهم	شبیر احمد عثمانیؒ م۱۳۶۹ھ	مکتبہ رشدیہ
۱۲	تکملة فتح الملهم	تقی عثمانی	دار العلوم کراچی
۱۳	فتح المنعم	موسی شاھین	مؤسسۃ عز الدین
۱۴	منة المنعم	صفی الرحمٰن مبارکپوری	دار السلام
۱۵	المعلم	محمد السماحی	

رواتِ مسلم

صحیح مسلم کی شہرت اگرچہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے؛ لیکن اس کی روایت کا سلسلہ جس راوی کے دم سے قائم رہا وہ مشہور فقیہ حنفی شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوریؒ المتوفی: ۳۰۸ھ ہیں، ابراہیم بن سفیانؒ کو امام مسلم سے خاص ربط تھا، اکثر حاضر خدمت رہتے، ان کا بیان ہے کہ امام مسلم نے اس کتاب کی قراءت سے جو انھوں نے ہمارے لیے شروع کی تھی، رمضان ۲۵۷ھ میں فراغت پائی۔

یوں بلاد مغرب میں امام ممدوح کے ایک اور شاگرد ابو محمد احمد بن علی قلانسیؒ سے بھی صحیح مسلم کی روایت کی جاتی تھی؛ لیکن اس کا سلسلہ مغرب کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکا اور جو قبول عام ابراہیم نیشاپوریؒ کی روایت کو نصیب ہوا وہ قلانسیؒ کی روایت کو نہ ہو سکا، علاوہ ازیں صحیح مسلم کا آخری حصہ جو تین جزء کے قریب ہے ابو محمد قلانسیؒ نے بہ راہ راست امام مسلم سے نہیں سنا؛ بلکہ وہ اس کو ابراہیم کے شاگرد ابو محمد جلودیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ص:۲۱۷)



سنن نسائی

مصنفِ کتاب

کنیت: ابوعبدالرحمٰن، نام: احمد بن شعیب بن یحیٰ بن سنان بن دینار ہے۔ شہر مرو کے قریب ''نساء'' میں ۲۱۴ھ میں ولادت ہوئی، اسی کی طرف منسوب ہوکر ''نسائی'' اور کبھی ''نسوی'' کہلاتے ہیں۔

اپنے دیار کے شیوخ سے اخذِ علم کے بعد، ۲۳۰ھ میں قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہوئے اوران سے ایک سال اور دو ماہ استفادہ کیا، اس کے علاوہ خراسان، عراق، حجاز، جزیرہ، شام اور مصر وغیرہ مختلف مقامات کا سفر کیا، اس کے بعد مصر میں سکونت اختیار کرلی اور افادہ وتصنیف میں مشغول رہے۔ ذی قعدہ ۳۰۲ھ میں مصر سے دمشق آ گئے۔

آپ زہد وتقویٰ میں ضرب المثل تھے، ہمیشہ صوم داوٗدی کے پابند رہے، دن ورات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا اور اکثر حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے، دینی قدر ومنزلت کے ساتھ دنیوی وجاہت بھی حاصل تھی، حسنِ سیرت کے ساتھ حسنِ صورت کے بھی مالک تھے، چہرہ نہایت روشن، رنگ نہایت سرخ وسفید اور بڑھاپے میں بھی تروتازہ نظر آتے، چار بیویاں اور دو باندیاں تھیں۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''امام مسلم، امام ابوداوٗد اور امام ترمذی کے مقابلے میں امام نسائی عللِ حدیث اور فنِ اسماء الرجال میں زیادہ ماہر تھے، اور امام بخاریؒ وابوزرعہؒ کے ہمسر تھے''۔ (محدثین عظام/۲۰۴)

وفات

امام نسائی جب مصر سے رملہ اور دمشق پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ بنی امیہ کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے یہ پورا خطہ خارجی افکار ونظریات کی زد میں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی کھلے عام تنقیص کی جاتی ہے، یہ دیکھ کر امام نسائی کو بڑا رنج ہوا اور انھوں نے حضرت علیؓ کے مناقب میں ایک کتاب تصنیف فرمائی، پھر خیال ہوا کہ اس کتاب کو جامعِ دمشق میں سنائیں؛ تاکہ لوگوں کی اصلاح ہو اور خارجیت کے اثرات ختم ہوں۔ ابھی آپ نے کتاب کا کچھ ہی حصہ سنایا تھا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر اعتراض کیا کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے؟ آپ نے جواب دیا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہی کافی ہے کہ ان کو نجات مل جائے۔ بعض کہتے ہیں یہ جملہ بھی کہا کہ میرے نزدیک ان کے مناقب بیان کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ یہ سن کر لوگ مشتعل ہو گئے، آپ پر تشیع کا الزام عائد کر کے لاتیں مارنا شروع کر دیا۔ آخر اتنا مارا کہ آپ نیم جان ہو گئے۔ خادم اٹھا کر گھر لائے، آپ نے ان سے فرمایا: مجھے ابھی مکہ مکرمہ لے چلو، وہاں پہنچ کر مروں یا راستے میں موت آ جائے۔ غرض کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر انتقال ہوا اور صفا و مروہ کے درمیان مدفون ہوئے، بعض کا خیال ہے کہ راستے میں ہی انتقال ہوا۔ وہاں سے مکہ مکرمہ لے جا کر تدفین ہوئی، تاریخ وفات ۱۳/ صفر المظفر ۳۰۳ھ ہے۔ **رحمہ اللہ تعالیٰ رحمةً واسعة.** (سیر أعلام النبلاء ۱۱/۱۹۷، بستان المحدثین/۱۸۹)

کتاب کا تعارف

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کی کتاب کو صحاحِ ستہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ امام نسائی نے بھی شیخین کی طرح صرف صحیح الاسناد روایات کو لیا ہے اور نسائی شریف بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کو جامع ہے۔ تنقیدِ رجال اور صحتِ اسناد کے بارے میں نسائی کی شرائط شیخین سے بھی زیادہ سخت ہیں؛ اس لیے مغرب کے بعض محدثین صحیح بخاری پر

سنن نسائی کی ترجیح کے قائل ہیں، حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں:

”صرّح بعضُ المغاربة بتفضيل كتاب النسائي على صحيح البخاري“. (فتح المغيث ١/٥٤، دار المنهاج، رياض)

”بعض مغاربہ نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب کو صحیح بخاری پر فضیلت حاصل ہے“۔

فتح المغیث کے محشی کے مطابق بعض المغاربۃ کا مصداق یونس بن عبداللہ القاضی المعروف بابن الصفار ہیں۔ (یہ ایک مالکی عالم ہیں، جن کا انتقال قرطبہ میں ۴۲۹ھ میں ہوا ہے۔)

حافظ ذہبیؒ کا قول گزر چکا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”هو أحذق بالحديث وعلله ورجاله من مسلم والترمذي وأبي داؤد، وهو جاء في مضمار البخاري وأبي زرعة“. (سير اعلام النبلاء ١١/١٩٧)

”امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ترمذی کے مقابلے میں امام نسائی عللِ حدیث اور فنِ اسماء الرجال میں زیادہ ماہر تھے اور امام بخاری و ابوزرعہ کے ہم سر تھے۔“

امام نسائیؒ نے سب سے پہلے حدیث کی ایک ضخیم اور اہم کتاب ”سنن کبریٰ“ لکھی، اور اس کو امیرِ رملہ کی خدمت میں پیش کیا۔ امیر موصوف نے امام ممدوح سے دریافت کیا کہ اس میں جو کچھ ہے سب صحیح ہے؟ امام نے جواب دیا: نہیں۔ اس پر امیر نے فرمائش کی کہ میرے لیے صرف صحیح روایات کو جمع کر دیجیے، ان کی اس درخواست پر امام موصوف نے سنن کبریٰ سے احادیث صحیحہ منتخب کی، اس کا خلاصہ تیار کیا جس کا نام ”مجتبیٰ“ رکھا۔ اسی کو سننِ صغریٰ کہا جاتا ہے اور آج کل سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے۔ (بستان المحدثین، ص:۱۸۹)

اہم وضاحت

مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ خود امام نسائی نے مجتبیٰ یعنی سنن کبریٰ سے احادیث صحیحہ منتخب کر کے ''مجتبیٰ''، یعنی سنن صغریٰ کو ترتیب دیا تھا جو آج کل سننِ نسائی کے نام سے داخلِ درس ہے؛ لیکن مشہور محقق مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ ان کے بہ قول اختصار کا یہ عمل امام نسائی کے شاگرد حافظ ابوبکر ابن السنی کے ذریعہ انجام پایا ہے؛ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں:

''یہ بھی واضح رہے کہ بالفعل جو کتاب ''سنن نسائی'' کے نام سے ہمارے یہاں داخلِ درس ہے، وہ دراصل امام موصوف کی تصنیف نہیں ہے: بلکہ ان کی کتاب کا اختصار ہے، جو ان کے نامور شاگرد حافظ ابوبکر ابن السنی کے قلم کا مرہون منت ہے۔ اس مختصر کا نام المجتبیٰ ہے اور اس کو سنن صغریٰ بھی کہا جاتا ہے''۔ (اس کے بعد مولانا نے امیر رملہ کی خدمت میں پیش کیے جانے کا واقعہ ذکر کر کے اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے): ''اس واقعہ کا ذکر علامہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کیا ہے؛ لیکن یہ واقعہ سرے سے غلط ہے؛ چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں تصریح کرتے ہوئے لکھا ہے: **" هذه الرواية لم تصح بل المجتبىٰ اختصار ابن السني تلميذ النسائي"**. (توضیح الأفکار/۲۲۱)'' بلاشبہ یہ روایت صحیح نہیں ہے: بلکہ مجتبیٰ، ابن السنی کا اختصار ہے جو نسائی کے شاگرد ہیں۔'' (امام ابن ماجہ اور علم حدیث، ص ۲۲۰)

تنبیہ

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ جب بھی کوئی حدیث نسائی کی طرف منسوب کی جائے یا مطلقاً سنن نسائی کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد سنن صغریٰ ہوتی ہے جو عام طور سے ہمارے دیار میں رائج اور ہمارے نصاب کا حصہ ہے؛ البتہ بعض مؤلفین اس سے سنن کبریٰ بھی مراد لیتے ہیں؛ چنانچہ صاحب عون المعبود نے تنبیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”واعلم أن قول المنذري في مختصره، وقول المزي في الأطراف: الحديث أخرجه النسائي، فالمراد به السنن الكبرىٰ للسنائي وليس المراد به السنن الصغرى الذي هو مروج الآن في أقطار الأرض من الهند والعرب والعجم، وهذه السنن الصغرىٰ مختصرة من الكبرىٰ، وهي لا توجد إلا قليلا. فالحديث الذي قال فيه المنذري والمزي: أخرجه النسائي، وما وجدته في السنن الصغرىٰ. فاعلم أنه في الكبرىٰ ولا تتحير لعدم وجدانه، فكل حديث في الصغرىٰ موجود في الكبرىٰ، ولا عكس، ويقول المزي في كثير من المواضع: أخرجه النسائي في التفسير، وليس في السنن الصغرىٰ تفسير“. (الكتب الصحاح الستة محمد أبو شهبة، ص: ١٦٦-١٦٧)

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مختصر میں منذری اور اطراف میں مزی کے اس قول ”الحديث أخرجه النسائي“ سے مراد نسائی کی سنن کبریٰ ہے، وہ سنن صغریٰ مراد نہیں ہے جو اس وقت ہند، عرب وعجم اور اطرافِ عالم میں مروج ہے، اور یہ سنن صغریٰ، سنن کبریٰ کا اختصار ہے۔ سنن کبریٰ بہت کم دستیاب ہے، تو جس حدیث کے متعلق منذری اور مزی نسائی کی تخریج کا حوالہ دیں اور وہ حدیث سنن صغریٰ میں آپ کو نہ ملے تو آپ سمجھ لیجیے کہ وہ سنن کبریٰ میں ہے اور سنن صغریٰ میں نہ ملنے پر پریشان نہ ہوں؛ اس لیے کہ صغریٰ کی ہر حدیث سنن کبریٰ میں موجود ہے اور اس کا عکس نہیں ہے۔ بہت سے مقامات پر مزی یوں کہتے ہیں: أخرجه النسائي في التفسير حالاں کہ سنن صغریٰ میں کتاب التفسیر ہے ہی نہیں (اس سے بھی معلوم ہوا کہ مزی سنن کبریٰ مراد لے رہے ہیں جس میں کتاب التفسیر بھی ہے)“۔

تعداد روایات

محمد فؤاد عبدالباقی کی ترقیم کے مطابق سنن نسائی میں کل روایات پانچ ہزار سات سو

چوہتر (۵۷۷۴) ہیں؛ جب کہ یہ اکیاون (۵۱) کتب (جلی عناوین) پر مشتمل ہے۔

خصوصیات

(۱) امام نسائیؒ اسانید اور متون میں روات کے اختلافات کو بیان کرنے کا اہتمام فرماتے ہین، ان مین سے امام کے نزدیک جو راجح ہوتا ہے اس پر ترجیحی دلائل پیش کرتے ہین، مثلا آپ نے ایمن بن نابل کے طریق سے مروی حدیث تشہد میں سند ومتن کے اعتبار سے علت ظاہر فرمائی اور ایمن کی توثیق کے باوجود اس حدیث کو خطا قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: سنن نسائی، کتاب السہو، رقم: ۱۲۸۱)

(۲) آپ نے ان متون کے نقد و درایت کا کام بھی انجام دیا ہے جو بہ ظاہر صحیح معلوم ہوتی ہیں اور بہ باطن معلول ہیں، مثلا فرماتے ہیں: **قال أبو عبد الرحمن: أنبأنا قتيبة بهذا الحديث مرتين، ولعله أن يكون قدسقط عليه منه شطر.** (كتاب السهو، رقم: ۱۲۹۴)

اسی طرح وصل وارسال کے اختلاف کی صورت میں بہ کثرت یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں: "**هذا خطأ والصواب مرسل**"۔

(۳) اسماء کی کنیتیں اور کنیتوں کے اسماء جن کے متعلق گڈمڈ ہونے کا خطرہ دیکھتے ہیں، ان کی وہ وضاحت کردیتے ہیں۔ مثلا فرماتے ہیں: "**أبو عمار اسمه عريب بن حميد، وعمرو بن شرحبيل يكنى أباميسرة**". (كتاب الزكاة، رقم: ۵۲۰۷)

اس وصف میں امام ترمذیؒ ان کے شریک ہیں۔

(۴) امام نسائیؒ متصل اور مسند احادیث لانے کی پابندی کرتے ہیں؛ چنانچہ ان کی سنن میں تعلیقات شاذ و نادر ہی ہوں گی۔ گویا اس سلسلے میں آپ امام مسلمؒ کے طریقہ کار کا اتباع کرتے ہیں۔

(۵) امام ابوداود و ترمذی کی طرح کبھی کبھی سند کے بعض رجال پر جرح وتعدیل کی

حیثیت سے کلام بھی فرماتے ہیں۔مثلا مذکورہ ایمن بن نابل کے بارے میں فرمایا:
وأیمن بن نابل عندنا لابأس به. (السھو،رقم: ۱۲۸۱)

(۶) محدثین کے یہاں رائج فنی اصطلاحات میں سے بہت سی اصطلاحات کوآپ نے بھی استعمال کیا ہے، چنانچہ بعض دفعہ اپنے پیشرو محدثین سے نقل کرتے ہوئے اور بعض دفعہ اپنی جانب سے ان اصطلاحی تعبیرات کا استعمال فرماتے ہیں،اہم اصطلاحات میں **منکر**، **محفوظ**، **لیس بثابت**، **حدیث صحیح**، **محفوظ**، **خطأفاحش**، **مرسل**، **مسند**، **إسناده حسن** اور **منکر الحدیث** وغیرہ اصطلاحات سنن نسائی میں جابہ جا پائی جاتی ہیں۔

(۷) حدیث روایت کرتے وقت طریقہ تحمل حدیث کی پوری رعایت فرماتے ہیں، چنانچہ اس کی تعبیر کا جو اسلوب محدثین کے یہاں رائج ہوتا ہے،اس کی پابندی کا اہتمام کرتے ہیں؛ پس حدثنا کی جگہ أخبرنا اور أخبرنا کی جگہ حدثنا نہیں کہتے ہیں،اوراس سلسلے میں تساہل نہیں برتتے ہیں؛ بلکہ اگر کسی قسم کا خلل ہوتا ہے تو اس کو کھول کر بیان فرماتے ہیں۔

شروح وحواشی

سنن نسائی کبری کی کوئی شرح دستیاب نہیں ہے،اور سنن نسائی صغریٰ جو اس وقت زیر بحث اور کتب ستہ کا حصہ ہے،اس کی شرح وتعلیق پر بھی اس قدر توجہ نہیں دی گئی،جتنی توجہ دیگر کتب ستہ کو حاصل رہی، چنانچہ کتب ستہ میں سب سے حتی کہ ابن ماجہ سے بھی کم شروح وحواشی سنن نسائی کے ہی ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ علامہ سیوطیؒ نے کہہ دیا کہ گزشتہ چھ سو سالوں میں اس کی کوئی شرح اور تعلیق منظر عام پر نہیں آئی۔ "**مذ صنّف أکثر من ست مئة سنة، لم یشتهر علیه من شرح ولا تعلیق**". (زھر الربي ۱/۲)

لیکن تلاش وتتبع سے پتہ چلتا ہے کہ سنن نسائی شروح سے بالکل تہی دامن رہی؛ ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ شیخ علی عُمران نے جو فہرست تیار کی ہے،اس میں تیس شروح کا تذکرہ

ہے، اگر چہ ان میں سے اکثر نامکمل اور غیر مطبوع ہیں۔ ہمارے دیار میں علامہ سیوطی اور علامہ سندھی کی کی شرح وتعلیق ہی زیادہ معروف ہے۔

نقشہ ذیل میں چند اہم شروح وحواشی کے اسامی ذکر کیے جارہے ہیں:

نمبر	شروح وحواشی	مصنفین	کیفیت
۱	شرح سنن النسائی	ابوالعباس احمد بن رشدم۵۶۳ھ	
۲	الامعان	شیخ علی بن عبداللہ م ۵۶۷ھ	ذہبیؒ نے اس کا تذکرہ کیا ہے
۳	شرح زوائد سنن نسائی	ابوحفص ابن الملقن م۸۰۴ھ	ایک جلد میں ہے
۴	زھرالربی علی المجتبی	جلال الدین سیوطیؒ م ۹۱۱ھ	حاشیہ نسائی پر مطبوع ہے۔
۵	حاشیہ علی النسائی	شیخ نورالدین السندی م ۱۱۳۸ھ	حاشیہ نسائی پر مطبوع ہے۔
۶	الحاشیہ المحمدیۃ	محمد حمداللہ التھانوی م ۱۲۹۶ھ	دوبار شائع ہو چکا ہے
۷	الفیض السمائی علی سنن النسائی	افادات حضرت گنگوہیؒ م۱۳۲۳ھ	شیخ زکریاؒ کے اضافے کے ساتھ شائع شدہ ہے
۸	ذخیرۃ العقبی	محمد بن علی الاأثیوبی	۱۸ ضخیم جلدوں میں مفصل شرح چھپ چکی ہے۔
۹	بذل الاحسان	ابواسحاق الحوینی	مطبوع ہے۔



سنن ابوداؤد

مصنف کتاب

سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الأزدی السجستانی، قبیلہ ازد کی طرف منسوب ہوکر ازدی اور خراسان کے شہر سجستان کی طرف نسبت کرتے ہوئے سجستانی کہلاتے ہیں۔۲۰۲ھ میں پیدائش ہوئی۔

کم عمری میں ہی اخذ علم کے لیے سفر شروع کر دیا تھا، حجاز، شام، مصر، عراق اور خراسان وغیرہ بلادِ اسلامیہ کا سفر کر کے وہاں کے علماء اور مشائخ کی ایک بڑی جماعت سے حدیثِ پاک کا سماع حاصل کیا۔ آپ کے اساتذہ میں احمد بن حنبل، قعنبی اور ابولولید الطیالسی جیسے کبارِ مشائخ شامل ہیں۔ بعض ایسے اساتذہ بھی ہیں، جن سے اخذ علم میں آپ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ شریک ہیں۔ مثلاً احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ اور قتیبہ بن سعید وغیرہ۔

خلقِ کثیر نے آپ سے سماعِ حدیث کیا، جن میں ابوعبدالرحمٰن النسائی، ابوعیسیٰ الترمذی، ابوعوانہ، ابوسعید ابن الاعرابی اور آپ کے فرزند ابوبکر بن ابی داؤد وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کی منقبت کے لیے اتنا کافی ہے کہ آپ کے جلیل القدر استاذ امام المسلمین احمد بن حنبل نے بھی آپ سے درج ذیل روایت نقل کی ہے: ”أن رسولَ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم سُئِلَ عن العتيرةِ فحَسَّنَهَا“ .(البداية والنهايه ۱۱/۵۵)

امام ابوداؤدؒ، ورع وتقویٰ اور اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ چال ڈھال اور سیرت وکردار میں امام احمد بن حنبلؒ کے مشابہ قرار دیے جاتے تھے، سادگی پسند اور پرتکلف زندگی سے دور تھے۔ آپ کے کرتے میں دو آستینیں ہوتی تھیں، ایک بہت کشادہ اور ایک تنگ، کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا: کشادہ آستین تو کتابوں

کے لیے ہے، اور دوسری آستین الگ سے کسی کام کے لیے نہیں ہے، لہٰذا اس کی توسیع بے جا اسراف ہے۔

موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں: "**خلق أبو داؤد في الدنيا للحديث، وفي الآخرة للجنة، وما رأيت أفضل منه**" یعنی ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے۔ اور میں نے ان سے افضل نہیں دیکھا۔

ابراہیم حربیؒ فرماتے ہیں: "**ألين لأبي داؤد الحديث كما ألين لداؤد الحديد**". امام ابوداؤد کے لیے حدیث کو اس طرح نرم کر دیا گیا ہے جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم بنا دیا گیا تھا"۔

مشہور شیخ طریقت سہل بن عبداللہ التستری نے حاضرِ خدمت ہو کر آپ کی اس زبان کو بوسہ دیا جس سے آپ حدیثِ پاک بیان کرتے ہیں۔ (الکتب الصحاح الستۃ، ص: ۱۳۲-۱۳۳)

کتاب کا تعارف

امام ابوداؤدؒ سے پہلے جو حدیث کی کتابیں جوامع اور مسانید تالیف کی گئیں، ان میں احکام کے علاوہ فضائل، آداب، مواعظ اور تفسیر وغیرہ کے ابواب منتشر ہوتے تھے۔ امام ابوداؤدؒ نے اپنی کتاب کو استقصاء کے ساتھ سنن اور احکام کے ساتھ خاص کیا اور اسے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کیا۔ انھوں نے اس کو بہ نظرِ استحسان دیکھا۔ امام ابوداؤدؒ نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح روایات کی تخریج کا التزام نہیں کیا جو التزام شیخین نے کر رکھا ہے؛ بلکہ وہ صحیح کے علاوہ حسن اور ضعیف روایات بھی لاتے ہیں بشرطیکہ اس کا ضعف شدید نہ ہو اور ائمہ کا اس کے ترک پر اجماع نہ ہو۔ امام ابوداؤدؒ نے اہلِ مکہ کے نام اپنے خط میں اس طرزِ عمل کی وضاحت کر رکھی ہے۔ خود ابوداؤدؒ کی تصریح کے مطابق آپ کے سامنے پانچ لاکھ احادیث کا ذخیرہ موجود تھا، اس میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث منتخب فرما کر یہ مجموعہ تیار کیا۔

سنن ابوداوٗد کو شروع ہی سے قبولِ عام حاصل رہا ہے، ابوسلیمان الخطابی ''معالم السنن'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: ''**كتاب السنن لأبي داؤد كتاب شريف لم يُصنّف في علم الدين كتاب مثله**'' ''سنن ابی داوٗد ایک باعظمت کتاب ہے، دین وشریعت کے علم میں اس جیسی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ ابن الاعرابی فرماتے ہیں:

''**لو أن رجلا لم يكن عنده من العلم إلا المصحف، ثم كتاب أبي داؤد لم يحتج معهما إلى شيء**''.

''اگر کسی شخص کے پاس علم کی کوئی چیز نہ ہو سوائے قرآن کریم اور ابوداوٗد کی کتاب کے تو ان کے ہوتے ہوئے اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں''۔

امام ابوحامد غزالیؒ فرماتے ہیں:

'' **تكفي المجتهد في العلم بأحاديث الأحكام**''.

''احادیث احکام سے واقفیت کے سلسلے میں مجتہد کے لیے سنن ابی داوٗد کافی ہے''۔ (المصدر السابق، ص:۱۴۰-۱۴۱)

حافظ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ نے سنن ابی داوٗد کی بعض روایات پر کلام کیا ہے اور نو احادیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے؛ لیکن وضع کا حکم لگانے میں ابن الجوزی کا تساہل معروف ہے۔ نیز حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے ان تمام احادیث کا جائزہ لے کر ابن الجوزی کے حکم بالوضع کی تردید کی ہے؛ لہٰذا حدیث کے اس عظیم مجموعے کی قدر ومنزلت پر اس طرح کی تنقید سے فرق نہیں پڑتا۔

خصوصیات

امام ابوداودؒ نے اہل مکہ کے نام اپنے خط میں سنن کی تالیف میں اپنے نہج کو واضح کردیا ہے، اس کے مندرجات اور سنن کے مطالعے سے سنن کی درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

(۱) امام ابوداودؒ نے صرف احادیث صحیحہ کے اخراج کا التزام نہیں کیا ہے؛ بلکہ انھوں نے صحیح، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف ومنکر روایات تک کو بھی جگہ دی ہے۔

(۲) اگر کوئی حدیث دو صحیح سندوں سے مروی ہو جن میں سے ایک سند کا کوئی راوی قدیم الاسناد ہو، یعنی اس کی سند عالی ہو تو امام ابوداود وصف علو کی وجہ سے احفظ کی روایت پر اس کو ترجیح دے دیتے ہیں۔ حازمی کے بہ قول: شیخین بھی ایسا کرتے ہیں؛ البتہ امام نسائیؒ صرف علو کی خاطر ضعیف کے طریق کو پسند نہیں کرتے ہیں۔

(۳) دیگر اصحاب سنن مثلا امام نسائی کی طرح ابوداو بھی ان راویوں کی حدیثیں لے لیتے ہیں جن کے ترک پر ائمہ متفق نہ ہوں۔

(۴) امام ابوداوٗدؒ کسی منکر یا بہت ہی ضعیف حدیث کی تخریج اسی وقت کرتے ہیں جب کہ باب میں اس کے علاوہ کوئی اور حدیث نہ ملے۔ یا اس میں کوئی خاص فائدہ مذکور ہو۔

(۵) امام ابوداوٗد نے اپنی اس تصنیف کا مدار احادیثِ احکام کو بنایا ہے، اور جہاں تک ہوسکا زیادہ سے زیادہ احکام سے متعلق احادیث جمع کی ہے، چنانچہ یہ احادیث احکام پر حاوی کتاب ہے۔ مستدلات فقہاء کو جاننے کے لیے اس کتاب کو چھوڑ کر دوسری کسی کتاب کی ضرورت کم ہی پڑتی ہے۔

(۶) اگر ایک باب یا مضمون سے متعلق ان کے پاس حدیثوں کی تعداد زیادہ ہو تب بھی باب میں ایک یا دو حدیث لانے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

(۷) اگر ایک مضمون کی چند حدیثیں لاتے بھی ہیں تو تکرار سے گریز کرتے ہوئے اس کا خیال کرتے ہیں کہ ہر متن میں کوئی نیا فائدہ یا سابقہ حدیث سے مستنبط حکم کے لیے کوئی اہم مؤید اس میں پایا جا رہا ہو۔

(۸) بسا اوقات ایک حدیث نفس الامر میں طویل ہوتی ہے اور حکم فقہی سے متعلق صرف اس کا تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے اور بقیہ قصہ اور واقعہ ہوتا ہے تو اس وقت اختصار کی غرض سے اس ٹکڑے کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں جو باب سے متعلق ہوتا ہے، تاکہ مطالعہ

کرنے والے پر محل استدلال اور موقع فقہ مشتبہ اور پیچیدہ نہ ہوجائے۔

(۹) جتنی احادیث سنن میں امام نے ذکر فرمائی ہیں بیش تر مشہور حدیثیں ہیں اور مشہور کا مطلب یہ کہ محدثین کے مابین ان کا چرچا رہا ہے، مختلف مکاتب فکر اور ارباب فتویٰ کے درمیان ان کا چلن رہا ہے، سب یا بعض کے نزدیک وہ معمول بہا رہی ہیں؛ اگر چہ نفس الامر میں وہ خبر واحد اور غریب ہو۔

(۱۰) حدیث کی سند میں اتصال کا اہتمام فرماتے ہیں؛ لیکن جب کبھی باب میں انھیں ایسی حدیث نہیں ملتی جو محدثین کی اصطلاح کے مطابق متصل کہی جائے تو مرسل اور مدلس کا بھی اخراج کرلیتے ہیں، جیسے: ''**الحسن البصري عن جابر**'' کا طریق یا ''**الحسن البصري عن أبي هريرة**'' کا طریق۔

(۱۱) اگر کوئی حدیث ایک سے زائد طریق سے مروی ہو اور ان سب کے الفاظ میں اختلاف ہو تو اس طریق سے حدیث کی تخریج پسند کرتے ہیں جس کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ فقہی فائدہ حاصل ہوتا ہو؛ کیوں کہ امام احادیث سے مستنبط ہونے والے احکام کے دائرے کو وسیع تر کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ اس غرض سے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ جس سند سے وہ جامع متن منقول ہے، وہ سند غیر مشہور ہے۔

(۱۲) اس کتاب سے پہلے جو کتابیں مستقلا احادیث احکام پر لکھی گئی ہیں یا ضمنا ان میں احادیث احکام آئے ہیں یہ کتاب ان سب سے زیادہ حاوی ہے؛ بلکہ اس کا تہائی حصہ بھی ان سب کے مجموعے سے زیادہ ہے۔

(۱۳) اس کتاب کی تقریبا آدھی احادیث ایسی ہیں جن کی شیخین یا ان میں سے کسی ایک نے تخریج کررکھی ہے۔ (مستفاد از ''حدیث اور فہم حدیث'' تالیف: حضرت مولانا عبداللہ معروفی۔)

تعدادِ روایات

سنن ابوداؤد میں عنوان کے طور پر ۳۵ کتب ہیں، جن میں سے تین کتابوں کی

مصنف نے تبویب نہیں کی ہے اوران کتابوں کے تحت جملہ ابواب کی تعداد ۱۸۷۱ ہے۔ جہاں تک تعلق ہے تعداد روایات کا تو خود مصنف کی تصریح ہے کہ اس میں چار ہزار آٹھ سو روایات ہیں ؛ جب کہ بعض حضرات کے شمار کے مطابق یہ تعداد پانچ ہزار دو سو چوہتر (۵۲۷۴) ہے۔

شروح وحواشی

سنن ابوداود کی گوناگوں خصوصیات، احادیث احکام کی جامعیت اور غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے اس کی متعدد شروح وحواشی لکھے گئے۔ اس کی بہترین ابتدائی شرح ابوسلیمان خطابیؒ کی ''معالم السنن'' ہے، جب کہ دور آخر کی سب سے جامع اور مبسوط شرح ''بذل المجہود'' ہے۔ جسے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے تحریر کیا ہے۔ علامہ عینیؒ کی شرح بھی چھپ چکی ہے؛ تاہم وہ نامکمل ہے۔

ذیل کے نقشے میں چند اہم شروح وحواشی کے اسامی ملاحظہ فرمائیں:

نمبر	اسماء	مصنفین	کیفیت
۱	معالم السنن	ابوسلیمان خطابی م ۳۸۸ھ	احمد محمد شاکر کی تحقیق سے شائع ہے
۲	العدالمودود	عبدالعظیم المنذری م ۶۵۶ھ	
۳	شرح سنن ابی داؤد	احمد بن ارسلان المقدسی م ۸۴۴ھ	بیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
۴	شرح سنن ابی داؤد	محمود بن احمد العینی م ۸۵۵ھ	نامکمل، شائع ہوچکی ہے۔
۵	شرح سنن ابی داود	احمد بن حسین الرملی م ۸۴۴ھ	

۶	شرح سنن ابی داود	ولی الدین ابوزرعہ عراقی م۸۲۶ھ	سجود السہو تک ہی ہے۔
۷	مرقاۃ الصعود	جلال الدین سیوطیؒ م۹۱۱ھ	
۸	شرح السنن	علاء الدین مغلطائی م۷۶۲ھ	نامکمل
۹	فتح الودود	ابوالحسن السندی م۱۱۳۸ھ	
۱۰	عون المعبود	محمد شمس الحق عظیم آبادی	معروف شرح ہے، ۱۴جلدوں میں شائع شدہ ہے
۱۱	المنھل العذب المورود	محمود خطاب السبکی	شرح عینی کے اسلوب میں ہے۔
۱۲	بذل المجھود	مولانا خلیل احمد سہارنپوری م۱۳۲۹ھ	مولانا تقی الدین ندوی کی تحقیق کے ساتھ عالم عرب سے ۱۴ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
۱۳	تعلیقات المحمود	شیخ فخر الحسن گنگوہیؒ	



جامع ترمذی

مصنف

کنیت: ابوعیسیٰ، نام: محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک، نسبت: ترمذی، بوغی، سُلمی، ۲۰۹ھ میں شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ ترمذ، ایک قدیم شہر ہے جو دریائے جیحوں کے ساحل پر واقع ہے، وہاں سے چند فرسخ پر بوغ نامی گاؤں ہے۔ آپ اصلاً اسی گاؤں کے باشندے تھے اور قبیلۂ بنو سُلیم سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے سُلمی، ترمذی اور بوغی کہلاتے ہیں۔

شروع ہی سے علم حدیث کی تحصیل میں غیر معمولی دلچسپی لی اور اس مقصد کے لیے بصرہ، کوفہ، واسط، رَے، خراسان اور حجاز وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے مشاہیر سے اخذ علم کیا جن میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ بھی شامل ہیں۔ امام بخاریؒ نے استاذ ہونے کے باوجود ایک مرتبہ فرمایا: ”انتفعتُ بک أكثر مما انتفعتَ بي“ ”میں نے تم سے اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جتنا فائدہ تم نے مجھ سے اٹھایا“ نیز یہ بھی امام ترمذیؒ کے لیے باعثِ فخر ہے کہ خود امام بخاریؒ نے آپ سے روایت لی ہے۔

انتہائی متقی اور عابد وزاہد تھے، خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ برسوں روتے رہے جس سے آپ کی بینائی چلی گئی۔ آپ کا انتقال ستر سال کی عمر میں ۱۳/ رجب المرجب شب دو شنبہ ۲۷۹ھ ترمذ میں ہوا؛ لیکن علامہ سمعانیؒ نے مقامِ رحلت قریۂ بوغ کو قرار دیا ہے اور سنِ رحلت ۲۷۵ھ ذکر کیا ہے۔

کتاب کا تعارف

سنن ترمذی کو یوں تو کئی مختصر ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے؛ لیکن شیخ عبدالفتاح

ابوغدہؒ نے ”تحقیق اسمی الصحیحین واسم جامع الترمذی“ میں کئی دلائل اور قرائن کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ اس کتاب کا مکمل اصلی نام یہ ہے: ”**الجامع المختصر من السنن عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ومعرفۃ الصحیح والمعلول، وما علیہ العمل**“.

امام ترمذیؒ نے اپنی اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ احادیثِ احکام کا اہتمام کیا ہے جن پر فقہاء کرام کا عمل رہا ہے۔ دوسری طرف اس کو صرف احکام کے لیے مختص نہیں کیا؛ بلکہ امام بخاریؒ کی طرح تمام ابواب کی احادیث لاکر اس کتاب کو جامع بنادیا ہے۔ صحاحِ ستہ میں انہی دو کتابوں پر بالاتفاق جامع کا اطلاق کیا جاتا ہے؛ جب کہ صحیح مسلم کے سلسلے میں دونوں رائیں ہیں: بعض نے کہا یہ جامع نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں کتاب التفسیر کا بہت مختصر حصہ شامل ہے؛ جب کہ بعض نے کتاب التفسیر کے نفسِ وجود کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح مسلم کو بھی جامع مانا ہے...امام ترمذی کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ایک روایت لانے کے بعد ”**وفي الباب**“ سے دوسری روایات کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ ایک بار ہرات میں امام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاریؒ کے سامنے امام ترمذی اور ان کی جامع کا تذکرہ آیا تو وہ فرمانے لگے:

”**كتابه عندي أنفع من كتاب البخاري ومسلم، لأن كتابي البخاري ومسلم لا يقف على الفائدة منهما إلا المتبحر العالم، وكتاب أبي عيسى يصل إلى فائدته كل أحد من الناس**“. (شروط الأئمة الستة، ص: ۱۶، التقیید ۱/۹۸)

”ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب میرے نزدیک بخاری ومسلم کی کتاب سے زیادہ نافع ہے؛ کیوں کہ بخاری ومسلم کی کتابوں سے تو صرف عالم متبحر ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے؛ لیکن ابوعیسیٰ کی کتاب سے ہر شخص مستفید ہوسکتا ہے“۔

حافظ ابوبکر بن نقطہ بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ اپنی مشہور کتاب ''التقیید لمعرفة رُواة السنن والمسانید'' میں خود امام ترمذیؒ کی زبانی ناقل ہیں:

''صنفت هذا المسند الصحيح وعرضته علىٰ علماء الحجاز فرضوا به، وعرضته على علماء العراق فرضوا به، وعرضته على علماء خراسان فرضوا به، ومن كان في بيته هذا الكتاب فكأنما في بيته نبي ينطق وفي رواية يتكلم''. (التقیید ۱/۹۷)

''میں نے ''المسند الصحیح'' یعنی کتاب الجامع کو تصنیف کر کے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا اور علماء عراق کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بھی اس کو پسند کیا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بھی اس کو پسند کیا اور جس کے گھر میں یہ کتاب موجود ہے تو اس کے گھر میں گویا خود پیغمبر علیہ السلام موجود ہیں جو تکلم فرما رہے ہیں''۔

تعداد روایات

محمد فؤاد عبدالباقی کی ترقیم کے مطابق ترمذی میں کل ۵۰ کتب ہیں اور جملہ روایات کی تعداد تین ہزار نو سو چون (۳۹۵۴) ہے۔

خصوصیات

(۱) امام ترمذی نے صرف ایسی روایت لانے کا التزام کیا ہے جس پر کسی فقیہ نے عمل کیا ہو یا جس سے کسی استدلال کرنے والے نے استدلال کیا ہو۔

(۲) امام ترمذی کسی مسئلے کے لیے باب باندھنے کے بعد باب سے متعلق صرف ایک یا دو احادیث کے لانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۳) حدیث کے درجے پر کلام فرماتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے یا معلول ہے؟

(۴) رجال پر کلام کرتے ہوئے جرح وتعدیل کے اعتبار سے ان کا مقام ومرتبہ بتاتے ہیں اور سند میں اگر کوئی علت ہوتی ہے تو مختلف طرق لاکر اس علت کو آشکارا کرتے ہیں۔

(۵) امام کی ایک عادت یہ ہے کہ باب میں جس حدیث کا اخراج کرنا منظور ہوتا ہے اس کو عموماً غیر مشہور اور غیر صحیح طریق سے لاتے ہیں؛ حالاں کہ اس حدیث کے دوسرے معروف اور صحیح طرق ہوتے ہیں۔

صاحب تحفۃ الاحوذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے اس کے چند فوائد بتائے ہیں:

(ا) لوگ اس حدیث غیر مشہور سے واقف ہو جائیں۔

(ب) اس کی سند میں جو علت ہے اس پر بحث کر کے لوگوں کے سامنے اس علت کی وضاحت کر دی جائے۔

(ج) اس حدیث کے متن میں جو زیادتی یا معنوی خوبی ہے جو کہ صحیح حدیث میں نہیں پائی جاتی ہے اس کو بھی سامنے کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(٦) علامہ بنوریؒ صاحب معارف السنن فرماتے ہیں: جامع ترمذی میں اس کے جامع ہونے کے باوجود حدیثوں کی تعداد کم ہے، جس کی تلافی انھوں نے "**وفي الباب**" کے حوالوں سے کر دی ہے۔

اس موضوع پر ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ کی کتاب "**كشف النقاب عما يقول الترمذي وفي الباب**" کا مطالعہ سودمند ہے۔

(۷) امام ترمذی جب کسی صحابی کی حدیث سند کے ساتھ تخریج کر لیتے ہیں تو پھر وفی الباب میں اس صحابی کا حوالہ نہیں دیتے؛ الا یہ کہ اس کی کوئی اور حدیث ہو جس کا اس مضمون سے فی الجملہ تعلق ہو۔ اور کبھی باب میں حوالہ دے کر کسی خاص فائدے کے پیش نظر سند متصل کے ساتھ اخراج بھی کر دیتے ہیں۔ (ماخوذ از "حدیث اور فہم حدیث"، ص: ۲۰۲-۲۰۵)

شروح وحواشی

متعدد اہل علم نے سنن ترمذی کی شرحیں، تعلیقات، مختصرات اور مستخرجات لکھے۔ اس کی ابتدائی جامع شروح میں قاضی ابوبکر ابن العربی کی ''عارضۃ الاحوذی'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، دور آخر کی بہترین شرح مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی ''معارف السنن'' ہے۔ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے افادات اور اس کی صحیح تعبیر وتشریح نے اس میں چار چاند لگادیے ہیں؛ البتہ یہ مایۂ ناز شرح کتاب الحج تک ہی ہے۔ مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی ''تحفۃ الاحوذی'' معروف ومتداول اور مکمل شرح ہے، حل ترمذی میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے؛ تاہم احناف پر طعن وتشنیع اور دلائل کے ذکر میں بے جا جدت نے شرح کے علمی وقار کو نقصان پہنچایا ہے۔ ایسے مقامات پر اہل علم کو ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے استدراکات اور مولانا سید ارشد مدنی کی زیر نگرانی شائع ہونے والی ''**هدية الأحوذي لمن يطالع تحفة الأحوذي**'' کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ذیل میں چند اہم شروح ترمذی کا اجمالی نقشہ دیا جارہا ہے:

نمبر	شروح	مصنفین	کیفیت
۱	شرح جامع الترمذی	حسین بن مسعود بغویؒ م ۵۱۶ھ	غیر مطبوع ہے۔
۲	عارضۃ الاحوذی	ابوبکر ابن العربی المالکی م ۵۴۳ھ	مطبوع ہے۔
۳	النفح الشذی	محمد بن محمد بن سید الناس یعمری م ۷۳۴ھ	حافظ عراقیؒ نے اس کا تکملہ لکھا ہے۔
۴	انجاز الوعد الوفی	عمر بن علی بن الملقن م ۸۰۴ھ	صحیحین اور ابوداود وترمذی کے زوائد کی شرح ہے۔ غیر مطبوع ہے۔

۵	العجاب (اللباب)	حافظ ابن حجر عسقلانی	ترمذی کے ''وفی الباب'' کی نامکمل شرح ہے۔
٦	الکوکب الدری	امالی: شیخ رشید احمد گنگوہیؒ م ۱۳۲۳ھ	مولانا یحییٰؒ نے قلم بند کیا تھا، شیخ الحدیث زکریاؒ نے شائع کیا۔
۷	العرف الشذی	علامہ انور شاہ کشمیریؒ م ۱۳۵۲ھ	مولانا چراغ نے قلم بند کیا تھا۔
۸	تحفۃ الاحوذی	مولانا عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری	معروف ومتداول شرح ہے۔
۹	معارف السنن	مولانا محمد یوسف بنوریؒ	کتاب الحج تک ہے
۱۰	المسک الشذی	مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	جامع اور محققانہ شرح ہے، دس ضخیم جلدیں دیوبند سے شائع ہو چکی ہیں، دو جلدیں باقی ہیں۔
۱۱	العرف الذکی	افادات: علامہ انور شاہ کشمیریؒ	مولانا عبداللہ معروفی کی فاضلانہ تحقیق وترتیب کیساتھ پانچ ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔

سنن ابن ماجہ

مصنف کتاب

کنیت: ابوعبداللہ، نام نامی: محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ القزوینی الربعی ہے۔ عراق کے مشہور شہر قزوین میں ۲۰۹ھ مطابق ۸۲۴ء میں پیدائش ہوئی۔ اسی نسبت سے قزوینی کہلائے اور قبیلۂ ربیعہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ربعی کہلاتے ہیں، ''ماجہ'' کے بارے میں سخت اختلاف ہے: بعض اس کو دادا کا نام سمجھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ہے؛ لیکن مولانا عبدالرشید نعمانیؒ فرماتے ہیں:

''اس بحث کو طے کرنے کا حق سب سے زیادہ مؤرخین قزوین کو ہے کہ **"أهل البيت أدرىٰ بما فيه"** اوران حضرات کے بیانات حسبِ ذیل ہیں: محدث رافعی، تاریخ قزوین میں امام ابن ماجہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں: ان کا نام محمد بن یزید ہے اور ''ماجہ'' یزید کا لقب ہے جس پر تشدید نہیں ہے، اور حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں حافظ حنبلی کے حوالے سے جو قزوین کے مشہور مؤرخ ہیں، نقل کیا ہے کہ ماجہ یزید کا عرف تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بارے میں خود امام ابن ماجہ کے مشہور ترین شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بیان موجود ہے جس میں وہ نہایت جزم کے ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ ماجہ آپ کے والد کا لقب تھا دادا کا نہیں۔ اور ماجہ فارسی زبان کا لفظ ہے، جو غالباً ''ماہ'' یا ''ماہجہ'' کا معرب ہے، اس سے ظاہر ہے کہ امام ابن ماجہ عجمی نژاد ہیں عربی النسل نہیں؛ اس لیے ربعی جو آپ کی نسبت ہے یہ نسلی نہیں؛ بلکہ نسبت ولاء ہے''۔ (امام ابن ماجہ

اور علم حدیث، ص:۲)

کتاب کا تعارف

''سنن ابن ماجہ'' فنِ حدیث کی اہم کتاب ہے اور پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ صحاحِ ستہ میں سادسِ ستہ کی مصداق یہی کتاب ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابن ماجہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے اس سنن کو حافظ ابوزرعہ رازی کے سامنے پیش کیا، انھوں نے غور سے دیکھا اور فرمایا:

''أظن إن وقع هذا في أيدي الناس تعطلت هذه الجوامع أو أكثرها''. (تذكرة الحفاظ ٦٣٦/٢)

''میرا خیال ہے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو یہ سارے دواوین حدیث یا اکثر بے کار ہو جائیں گے اور ان سے بے نیازی ہو جائے گی''۔

تعداد روایات

حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ماجہ کے شاگرد اور سنن کے راوی ابوالحسن القطان سے نقل کیا ہے کہ یہ سنن بتیس کتب پر مشتمل ہے، اس میں پانچ سو ابواب اور چار ہزار احادیث ہیں، کل کی کل حسن ہیں سوائے چند ایک کے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/۵۲)

محمد فؤاد عبدالباقی کی ترقیم کے مطابق سینتیس کتب اور چار ہزار تین سو اکتالیس حدیثیں ہیں اور کتب خمسہ سے زائد روایات کی تعداد ایک ہزار تین سو تیس ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ''كتابه في السنن، جامع جيد كثير الأبواب والغرائب، وفيه أحاديث ضعيفة جدا''. (تهذيب التهذيب، ترجمة ابن ماجه)

''ابن ماجہ کی کتاب سنن میں ہے، جو خوب جامع اور بہت سارے ابواب وغرائب پر مشتمل ہے اور اس میں بہت ساری ضعیف روایات ہیں''۔

ابن الجوزیؒ نے سنن ابن ماجہ کی تیس احادیث پر نقد کیا ہے اور ان پر وضع کا حکم لگایا ہے، ان کے علاوہ بھی بعض حفاظ نے ابن ماجہ کی بعض روایات پر کلام کیا ہے۔ تاہم ایسی روایات جن پر وضع یا ساقط الاعتبار یا انتہائی ضعیف ہونے کا حکم لگایا گیا ہے ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے علاوہ سنن کی چار ہزار روایات قابلِ اعتبار موجود ہیں۔

نہج وخصوصیات

(۱) دیگر کتب سنن کی طرح سنن ابن ماجہ کی ترتیب بھی فقہی ہے؛ بلکہ امام ابن ماجہ نے تبادر ذہنی اور ظاہر ترین مضمون کا خیال رکھا ہے، جس کی وجہ سے سنن ابن ماجہ سے حدیث نکالنا دیگر سنن کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔

(۲) شروع کتاب میں امام نے ایک بیش قیمت مقدمہ لگایا ہے، جس مین سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع، حجیت حدیث، بدعات سے تنفر، آزادانہ رائے اور اجتہاد سے اجتناب کرنے کی تاکید وغیرہ سے متعلق ابواب ذکر کیے ہیں۔

(۳) اس میں پانچ احادیث ایسی ہیں جو ثلاثی ہیں، البتہ یہ حدیثیں جبارۃ بن المغلس الحمانی کے طریق سے ہیں جو کہ متکلم فیہ ہیں۔

(۴) دیگر سنن کی طرح یہ کتاب بھی صحیح، حسن، ضعیف ہر قسم کی انواع پر مشتمل ہے، اور اس میں مصنف کی طرف سے احادیث کے درجات کی بھی نشان دہی نہیں کی گئی ہے؛ البتہ حافظ شہاب الدین بوصیریؒ م ۸۴۰ھ کی کتاب ''مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجة'' سے یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے، جس میں انھوں نے تمام احادیث کی اسنادی حیثیت واضح فرمادی ہے اور ان میں پائی جانے والی مخفی علتوں کی بھی نشان دہی کردی ہے۔

شروح وحواشی

کئی نامور محدثین نے سنن ابن ماجہ کی شرح وتعلیق کا کام انجام دیا ہے، صحت کے اعتبار سے اگرچہ یہ سادس ستہ ہے؛ تاہم شروح ومتعلقات کی کثرت کے اعتبار سے بعض کتب ستہ پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔ شیخ رائد بن ابی علفہ کی تحقیق سے دو ضخیم جلدوں میں سنن ابن ماجہ کی چھ شروح وحواشی کا مجموعہ بیت الافکار الدولیۃ سے شائع ہو چکا ہے، یہ مجموعہ دیگر شروح سے بہت حد تک مستغنی کر دیتا ہے۔ اس مین درج ذیل شروح وحواشی ہیں: **مصباح الزجاجة للسيوطي، كفاية الحاجة للسندي، إنجاح الحاجة للشيخ عبدالغني، مصباح الزجاجة للبوصيري، مايليق من حل اللغات للشيخ فخر الحسن، مختصر ماتمس إليه الحاجة للنعماني.**

ذیل کے نقشے میں شروح وحواشی کی ایک اجمالی فہرست دی جارہی ہے:

۱	ماتمس الیہ الحاجۃ علی ابن ماجۃ	ابن الملقن عمر بن علی م ۸۰۴ھ	یہ زوائد کتب خمسہ کی شرح ہے۔
۲	ماتدعوالیہ الحاجہ	الشیخ محمد بن رجب القاہری م ۹۱۳ھ	مصر میں اس کا قلمی نسخہ ہے۔
۳	الدیباجہ	محمد بن موسی الدمیری م ۸۰۸ھ	
۴	الاعلام بسنتہ علیہ السلام	علاء الدین مغلطائی م ۷۶۲ھ	نامکمل ہے۔
۵	حواشی علی سنن ابن ماجہ	سبط ابن العجمی م ۸۴۱ھ	
۶	مصباح الزجاجۃ	عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی م ۹۱۱ھ	
۷	کفایۃ الحاجۃ	شیخ ابوالحسن السندیؒ م ۱۱۳۸ھ	

۸	انجاح الحاجۃ	شیخ عبدالغنی مجددی م۱۲۹۶ھ	
۹	حواشی علی ابن ماجہ	شیخ فخرالحسن گنگوہیؒ م۱۳۱۵ھ	
۱۱۰	اھداءالدیباجہ	صفاالضوی احمدالعدوی	



والحمد لله أولا وآخراً، وصلى الله على النبي الكريم،

محمد وآله وصحبه اجمعين.

منظوم تعارف

صحاحِ ستہ تعارف و خصوصیات

نتیجۂ فکر: شاعر اسلام حضرت مولانا ولی اللہ صاحب قاسمی وؔلی بستوی
استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور

صحاحِ ستّۂ پُر کیف جو علمی خزانے ہیں
حدیثوں کے یہ مجموعے نرالے ہیں، سہانے ہیں

رسول اللہ کے اقوال کے ہیں پاک مجموعے
نبی کے بہتریں احوال کے ہیں پاک مجموعے

بخارؔی، مسلمؔ، و داؤدؔ شیخِ ترمذؔی جو تھے
جہانِ علم و حکمت کے یقیناً احوذی وہ تھے

نسائؔی، ابنِ ماجہؔ علم و فن کا تاج رکھتے تھے
سرور و شادمانی کی حسیں معراج رکھتے تھے

یہ چھ حضرات حکمت کے امامانِ زمانہ تھے
جہاں کے عالمانِ دیں میں یکّہ تھے، یگانہ تھے

خلوص و الفت و تقویٰ سے مالا مال سارے تھے
خدائی برکت و انعام سے خوشحال سارے تھے

بخارؔا کا کوئی تھا، کوئی نیشاپوؔر والا تھا
سجستاؔں کے کوئی ہاں خطّۂ معمور والا تھا

کوئی ترمذؔ کا تھا ان میں، کوئی ان میں نساؔء کا تھا
کوئی قزوینؔ کا تھا کہ حافظہ جس کا بلا کا تھا

شرف ان سے ملا ہے اُن سبھی وطنی اماکن کو
بڑی شہرت ہوئی حاصل سبھی علمی مساکن کو

یہ سب اللہ والے تھے، بڑے ہی متقی یہ تھے
روایت کے لئے اہلِ کمالِ منصفی یہ تھے

ضرورت تھی کہ ان کے کام کی تنقیح کی جائے
جو مغلق بات تھی اس کی حسیں تشریح کی جائے

مگر اِس کے لئے اہلِ کمالِ علم لازم تھا
کوئی اہلِ ہنر، اہلِ کمالِ فہم لازم تھا

کمالِ علم و فن کے ساتھ ہو توفیق اَرزانی
جسے ہر موڑ پر اللہ کی حاصل ہو نگرانی

خدا نے اشرفؔ عباس کو توفیق بخشی ہے
جنھوں نے اِن کتابوں کو حسیں تطبیق بخشی ہے

خدا کا نام لے کر کام کا آغاز فرمایا
کیا جو کام اشرفؔ نے اسے ممتاز فرمایا

صحاحِ ستّۂ پُر علم کی تعیین فرمائی
یہ جس نے کام دیکھا اس نے ہی تحسین فرمائی

مؤلف کے بیاں فرمایا اغراض و مقاصد کو
غلط فہمی کے ہاں ہاں دور فرمایا مفاسد کو

کیا واضح انہوں نے سب اماموں کے مذاہب کو
بتایا ہے انہوں نے اُن کے سب علمی مناصب کو

حدیثوں کی صحیح تعداد کیا ہے، یہ بتایا ہے
تراجم کی ہوئی بنیاد کیا ہے، یہ بتایا ہے
بتایا کہ، اماموں کا وہ آبائی وطن کیا ہے
بتایا یہ بھی کہ ان کا حسیں علمی چمن کیا ہے
صحاحِ ستّہ کی ترتیب کی توضیح فرمائی
دیارِ ہند میں تدریس کی تنقیح فرمائی
تعارف انفرادی ان کتابوں کا ہے فرمایا
حدیثوں میں سنن میں ہے فرق کیا، یہ بھی بتلایا
بتایا کہ روایت میں ضروری احتیاطیں ہیں
سند کے باب میں لازم بہت سی احتیاطیں ہیں
صحابہ نے حدیثوں کی حفاظت خوب فرمائی
صحاحِ ستّہ کی تحقیق بھی محبوب فرمائی
صحاحِ ستّہ کا مصداق کیا ہے، یہ بھی بتلایا
سنن کا متّفق اطلاق کیا ہے؟ یہ بھی بتلایا
مُسلَّم اصطلاحیں یہ رہی ہیں ہر زمانے میں
معیّن سادسِ سِتّہ ہوئی چھٹّے زمانے میں
مؤلف کی سبھی شرطوں کی توضیحات کیا کیا ہیں؟
روایت کرنے والوں کے سبھی طبقات کیا کیا ہیں؟
صحاحِ ستّہ کی ساری خصوصیّات عمدہ ہیں
ہوئی سب مختلف قولوں کی توضیحات عمدہ ہیں
انھوں نے ان کتب کی عالمی ترقیم بتلائی
دل و جاں سے کتابوں کی بہت تعظیم فرمائی
صحاحِ ستّہ کے مجموعے جو ہیں، بہتریں وہ ہیں
تعارف کے طریقے جو ہوئے ہیں، دل نشیں وہ ہیں
صحاحِ ستّہ کی جو خدمتیں علمی ہیں، بہتر ہیں
صحاحِ ستّہ کے اطراف جو ہیں وہ بھی خوشتر ہیں
ائمہ کی زمانے میں ہوئیں سندیں بھی عالی ہیں
علوم و فضل میں ان چھ کی سب شانیں نرالی ہیں
ہے قصہ مختصر کہ ہر طرح سے کی وضاحت ہے
ائمہ کی سبھی خدمات کی اچھی صراحت ہے
برائے خدمتِ دیں اشرفِ عباس نکلے ہیں
دلِ بیدار میں زندہ لئے احساس نکلے ہیں
ہیں علم و فضل کے پیکر، قلم بھی خوب پختہ ہے
حسیں انداز ان کا، طرز بھی ان کا شگفتہ ہے
ہے اِن کی دامنِ قرطاس پر تحقیق جلوہ گر
اکابر کی ہوئی ان کے لئے توثیق جلوہ گر
یقیناً کارنامہ قابل تعریف ان کا ہے
یہ تحقیقی نمونہ لائقِ توصیف ان کا ہے
ہیں اہلِ علم و فن یہ ماہر تدریس ٹھہرے ہیں
خدا کا فضل ہے کہ حاملِ تقدیس ٹھہرے ہیں
حقیقت ہے کہ یہ ٹھہرے مبارکباد کے قابل
دعاؤں کے سنہرے تحفۂ دلشاد کے قابل
خدائے پاک ان کو دے جزائے خیر عالم میں
رہیں جاری فیوضِ علم و فن تا دیر عالم میں
ولیؔ کی ہے دعا، خوشنودیٔ رحمان یہ پائیں
دخولِ جنت الفردوس کا اعلان یہ پائیں